جاری کردہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی

ماہنامہ

ترجمان القرآن

مُدیر

پروفیسر خورشید احمد

ادارہ ترجمان القرآن

تعارف قاضی گروپ آف کمپنیز

اور اللہ ہی نے تمہارے لئے گھروں کو رہنے کی جگہ بنایا (القرآن)

قاضی انٹرپرائزز 1988 سے پراپرٹی اور کنسٹرکشن کے شعبہ سے منسلک ہیں۔ الحمدللہ جس ادارہ کی بنیاد تقویٰ، توکل، ایمانداری اور جذبہ خدمت خلق پر رکھی گئی تھی اس کو اللہ تعالیٰ نے دن دوگنی رات چوگنی ترقی سے نوازا۔ رب رحیم کا احسان عظیم ہے کہ ادارہ نے اپنے ذیلی اداروں کی محنت اور تعاون سے ترقی کی اور 1999 میں تنظیم نو کرتے ہوئے (قاضی گروپ آف کمپنیز) کا آغاز کیا۔ قاضی گروپ آف کمپنیز میں مندرجہ ذیل ادارے شامل ہیں۔

★قاضی انٹرپرائزز ★قاضی کنسٹرکشن ★قاضی پبلشرز اینڈ ایڈورٹائزرز ★قاضی ڈویلپر ★قاضی پی وی سی پائپ انڈسٹری ★اسلامک ویلفیئر فاؤنڈیشن

قاضی انٹرپرائزز ہی کیوں — اس لیے کہ

① ہاؤسنگ کے شعبہ میں بہترین تجربہ کار ٹیم۔ ② 4 منصوبے مکمل کرنے کا اعزاز حاصل (جہاں یا تو ہمارے ممبران رہائش پذیر ہو چکے ہیں اور یا اپنے پلاٹ فروخت کر کے کئی گنا منافع بھی کما چکے ہیں۔ آپ بھی ہمارے منصوبوں میں سرمایہ کاری کر کے فائدہ اٹھا سکتے ہیں) ③ **منی بیک گارنٹی** ہماری ہی ہے اگر آپ تعمیر دیکھے مکان / پلاٹ خریدیں اور دیکھنے پر آپ محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے بتائے ہوئے منصوبے معیار کے مطابق نہیں ہیں تو آپ اپنی رقم واپس لے سکتے ہیں

④ ہر اتوار کو ہماری گاڑی دفتر سے صبح نو بجے سائٹ وزٹ کے لیے روانہ ہوتی ہے اسلئے پہلے آپ سائٹ دیکھیں اور پھر خریدیں

ہمارے منصوبے

★ الرحمٰن ٹاؤن (مکمل) ★پاسبان ٹاؤن (مکمل) ★ گلستان راشد فیز (I) مکمل ★ فیملی ولاز مری فیز (I) فیز (II) مکمل

★فیملی گارڈن اسلام آباد بکنگ جاری ★موٹروے سٹی فیز (I) فیز (II) بکنگ مکمل ★فیملی اپارٹمنٹ مری فیز (III) بکنگ جاری

★موٹروے سٹی فیز (III) بکنگ جاری ★ قاضی اپارٹمنٹ راولپنڈی بکنگ جاری ★ اسلام آباد ہل گارڈن بکنگ جاری

ہمارا دعویٰ ہمارے منصوبے سب سے سستے اور سب سے بہترین، دیکھیں اور فیصلہ کریں

موٹروے سٹی

خصوصیات

☆اسلام آباد کی طرح سرسبز و شاداب پہاڑیوں کے دامن میں
☆نئے اسلام آباد انٹرنیشنل ایئرپورٹ کی بدولت ہر لحاظ سے عروج
☆خانپور ڈیم اور لوہی بھیر نیشنل پارک جیسی سیرگاہیں قریب تر
☆انشاءاللہ تعالیٰ تمام ضروریات زندگی آپ کے دروازے پر
☆پاکستان موٹروے سے چند منٹ کی مسافت
☆فوج کے ریٹائرڈ افراد پر مشتمل منظم سیکورٹی سسٹم کا قیام
☆اسلامک سینٹر کے لیے پچاس کنال زمین وقف
☆قیمتوں میں اضافہ کی بدولت منافع بخش سرمایہ کاری
☆پانی جیسی نعمت کی فراوانی
☆ہر فیز میں شاپنگ سینٹر
☆کشادہ سڑکیں اور گلیاں
☆مسجد، سکول اور ہسپتال گھر کے نزدیک۔

خصوصی رعایت

29 فروری 2000ء تک

پلاٹ بک کرانے والے کو 15 ہزار روپے فی کنال کی خصوصی رعایت

قیمت و طریقہ ادائیگی

قیمت: 9 ہزار روپے فی مرلہ

ایڈوانس: -/1000 روپے فی مرلہ بوقت بکنگ۔

قسط: -/100 روپے فی مرلہ ماہانہ

سائز پلاٹ 5 مرلہ، 10 مرلہ، ایک کنال

تمام ادائیگی بذریعہ بینک ڈرافٹ بنام موٹروے سٹی اکاؤنٹ نمبر 8- ABL 1100 راشد منہاس روڈ برانچ راولپنڈی

یکمشت ادائیگی پر 10 فیصد خصوصی ڈسکاؤنٹ۔ کل قیمت کی پچاس فیصد یکمشت ادائیگی پر فوری رجسٹری

ہیڈ آفس

قاضی انٹرپرائزز

جنگ بلڈنگ مری روڈ راولپنڈی

فون 554464 فیکس 558633

E-mail: shaukat@isb.comsats.net.pk

web: www.qazi.com.pk

ماہنامہ

ترجمان القرآن

جلد ۱۲۷ ' عدد ۱۰ ' اکتوبر ۲۰۰۰ء ' رجب ۱۴۲۱ھ

مدیر : پروفیسر خورشید احمد

نائب مدیر : مسلم سجاد

ترتیب

ادارتی امور

منصورہ ' ملتان روڈ ' لاہور

فون : ۵۴۲۵۳۵۶ (۰۴۲)

فیکس : ۷۸۳۲۱۹۴ (۰۴۲)

مدیر انتظامی

عبدالکریم

۵- اے ' ذیلدار پارک ' اچھرہ ' لاہور

فون : ۷۵۸۷۹۱۶ (۰۴۲)

فیکس : ۷۵۸۵۵۹۰ (۰۴۲)

☆

ویب سائٹ

www.tarjumanulquran.com

ای - میل

tarjuman@pol.com.pk

☆

قیمت فی شمارہ : ۲۰.۰۰ روپے

زر سالانہ : ۲۰۰ روپے

بھارت ۳۵۰ روپے

بنگلہ دیش ' ایران ۵۰۰ روپے

مشرق وسطیٰ ' یورپ '

مشرق بعید ' افریقہ ۷۰۰ روپے

امریکہ ' کینیڈا ' آسٹریلیا ۹۵۰ روپے

راہ حق

ظاہر ہے کہ دین حق کو جب کبھی قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی، کوئی نہ کوئی دین باطل قوت اور زور کے ساتھ قائم شدہ تو پہلے سے موجود ہوگا ہی۔ طاقت بھی اس کے پاس ہوگی، رزق کے خزانے بھی اسی کے قبضے میں ہوں گے، اور زندگی کے سارے میدان پر وہی مسلط ہوگا۔ ایسے ایک قائم شدہ دین کی جگہ کسی دوسرے دین کو قائم کرنے کا معاملہ بہرحال پھولوں کی سیج تو نہیں ہو سکتا۔ آرام اور سہولت کے ساتھ، بیٹھے بیٹھے قدم چل کر یہ کام نہ کبھی ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ آپ چاہیں کہ جو کچھ فائدے دین باطل کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہوئے حاصل ہوتے ہیں، یہ بھی ہاتھ سے نہ جائیں اور دین حق بھی قائم ہو جائے تو یہ قطعاً محال ہے۔ یہ کام تو جب بھی ہوگا اسی طرح ہوگا کہ آپ ان تمام حقوق کو، ان تمام فائدوں کو، اور ان تمام آسایشوں کو لات مارنے کے لیے تیار ہو جائیں جو دین باطل کے ماتحت آپ کو حاصل ہوں، اور جو نقصان بھی اس مجاہدے میں پہنچ سکتا ہو اس کو ہمت کے ساتھ انگیز کریں۔ جن لوگوں میں یہ کھکیڑ اٹھانے کی ہمت ہو، جہاد فی سبیل اللہ انھی کا کام ہے، اور ایسے لوگ ہمیشہ کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو دین حق کی پیروی کرنا تو چاہتے ہیں مگر آرام کے ساتھ، تو ان کے لیے بڑھ بڑھ کر بولنا مناسب نہیں۔ ان کا کام تو یہی ہے کہ آرام سے بیٹھے اپنے نفس کی خدمت کرتے رہیں اور جب خدا کی راہ میں مصیبتیں اٹھانے والے آخرکار اپنی قربانیوں سے دین حق کو قائم کر دیں تو وہ آکر کہیں اِنَّا کُنَّا مَعَکُمْ، یعنی ہم تو تمہارے دینی بھائی اور تمھاری ہی جماعت کے آدمی ہیں، لاؤ اب ہمارا حصہ دو (''جہاد کی اہمیت''، ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمان القرآن، جلد ۱۷، شمارہ ۱، ۲، ۳، رجب، شعبان، رمضان ۱۳۵۹ھ / ستمبر، اکتوبر، نومبر ۱۹۴۰ء، ص ۲۴۷-۲۴۸)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

دورہ امریکہ

مقاصد، افادیت اور خدشات

قاضی حسین احمد

اس وقت مغربی ممالک خصوصاً شمالی امریکہ (ریاست ہاے متحدہ اور کینیڈا) برطانیہ، جرمنی اور فرانس میں الحمدللہ مسلمانوں کی اچھی خاصی تعداد اکٹھی ہو گئی ہے۔ امریکہ اور مغربی یورپ کے ممالک میں مقامی باشندے بھی اسلام قبول کر رہے ہیں۔ یہ لوگ منظم بھی ہو رہے ہیں۔ انھوں نے یورپ اور امریکہ کے کونے کونے میں مساجد اور اسلامی مراکز قائم کر رکھے ہیں اور اس وجہ سے عرب و عجم کی تمام دینی جماعتوں کے ان تنظیموں سے رابطے موجود ہیں اور ان جماعتوں کے زعما وقتاً فوقتاً ان ممالک کے دورے بھی کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت ریاست ہاے متحدہ امریکہ میں کم و بیش ایک کروڑ کی تعداد میں مسلمان موجود ہیں۔ یہ تعداد امریکہ کی کل آبادی کا دو سے لے کر تین فی صد ہے۔ اس طرح عیسائیت کے بعد اسلام امریکہ کا سب سے بڑا مذہب بن چکا ہے۔ جرمنی اور برطانیہ میں ۵ فی صد اور فرانس میں کل آبادی کے تقریباً ۱۰ فی صد مسلمان ہیں۔

اتنی بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود، موثر قیادت کی عدم موجودگی اور منصوبہ بندی کے فقدان کی وجہ سے وہاں کے ماحول اور معاشرے پر اسلام اور مسلمانوں کے کماحقہ اثرات مرتب نہیں ہو سکے ہیں۔ تاہم مادی طاقت کے لحاظ سے دنیا کے اہم ترین ممالک کے شہری ہونے کی حیثیت سے، مغربی ممالک کی اس مسلم اقلیت کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اس مسلمان اقلیت کے ساتھ رابطہ رکھنا، انھیں دین کے بنیادی تقاضوں کی طرف متوجّہ کرنا اور اسلام کے سفرا کی حیثیت سے مغربی معاشرے میں انھیں اپنے فرائض سے

آگاہ کرنا، ایک اہم دینی فریضہ ہے۔ ان ممالک کے سمجھ دار اور ممتاز مسلمان شہری اس ضرورت سے پوری طرح آگاہ ہیں اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ عالم اسلام کے ممتاز رہنما ان ممالک کے دورے کریں اور ان کی کشش سے وہ مقامی مسلمانوں کو مدعو کریں اور انھیں ان ممالک کے اندر سیاسی، معاشی اور معاشرتی اثرو رسوخ پیدا کرنے کی ضرورت کا احساس دلائیں۔ اب خود مغربی دانش ور اور مغرب کی حکومتیں یہ محسوس کرنے لگی ہیں کہ "اسلام اور مغرب" (Islam and the West) کے موضوع کے ساتھ ساتھ اس وقت "مغربی ممالک میں اسلام" (Islam in the West) ایک اہم ترین موضوع بن گیا ہے۔ مغربی معاشرے کو یہ یقین دلانا کہ اسلام انسانیت کی بھلائی اور خیر وفلاح کا دین ہے، امت مسلمہ کا مقصد انسانیت کی خدمت ہے، یہ دین قوم پرستی کا نہیں خدا پرستی کا دین ہے اور کسی خاص رنگ و نسل اور علاقے کے بجائے انسانیت کی بھلائی چاہتا ہے اور خود مغربی معاشرے کے لیے اس کے پاس خیروبرکت کا پیغام ہے، وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

اسلام دشمن طاقتوں خاص طور پر صیہونی لابی کی طرف سے یہ کوشش ہو رہی ہے کہ اسلام کو دہشت گردی، خون خرابے، تخریب کاری، تشدد، انتہاپسندی اور قتل و غارت گری کا مذہب قرار دے کر اس رجوع عام کا راستہ روکا جا سکے جو اسلام کے طبعی حسن اور اس کے دین فطرت ہونے کے حوالے سے اس وقت مغربی معاشرے میں پایا جاتا ہے۔ کچھ دانش وروں نے تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ (clash of civilization) وسیع پیمانے پر مشتہر کر دیا جس کے ذریعے سے اسلامی تہذیب اور مغربی تہذیب میں تصادم کو ناگزیر قرار دے دیا گیا اور اس طرح اسلام اور اسلامی تہذیب کو دشمن ٹھیرا کر عام لوگوں کے ذہن کے دریچوں پر تعصبات اور شکوک و شبہات کے پردے ڈال دیے گئے تاکہ اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کے راستے مسدود ہو جائیں۔ مخالفین کی اڑائی ہوئی اس گردوغبار کو دور کرنے اور شکوک و شبہات کا ازالہ کرنے اور اسلامی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے تصادم کے نظریے کے بجائے گفت و شنید اور افہام و تفہیم کا طریقہ اختیار کرنے کے لیے مغربی پالیسی اداروں اور ان کے دانش وروں تک اپنا موقف پہنچانے کی بھرپور کوششوں کی ضرورت ہے۔

بعض معترضین کو امریکی حکومت کی پالیسیوں سے شدید اختلاف رکھنے کی بنا پر میرے دورۂ امریکہ پر حیرت ہوئی ہے۔ کچھ لوگوں نے اسے پالیسی میں تبدیلی کی علامت ٹھہرایا ہے اور کچھ لوگوں نے اسے جماعت اسلامی کی قیادت پر اعتراضات کا سنہری موقع سمجھ کر بے جا الزام تراشی شروع کر دی ہے۔ لیکن یہ بات اہل علم و دانش سے پوشیدہ نہیں ہے کہ باہم اختلافات رکھنے والے گروہوں کی قیادتوں میں رابطہ اور مذاکرات اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ عین میدان جنگ کے اندر بھی لڑنے والے گروہوں کے درمیان رابطہ موجود رہتا ہے اور رابطہ بھی کش مکش کے میدان ہی کا ایک حصہ ہوتا ہے۔

میرا دورۂ امریکہ بھی بنیادی طور پر اسی نوعیت کا دورہ تھا۔ میں پچھلے سال بھی حلقہ اسلامی شمالی امریکہ کی دعوت پر امریکہ گیا تھا اور ان کے سالانہ کنونشن میں شرکت کے علاوہ مختلف شہروں میں ان کے زیراہتمام مساجد اور اسلامی مراکز میں اجتماعات میں شرکت کی تھی۔ اس سال بھی ان کے کنونشن میں شرکت کے بعد' میں نے مسلمانوں کے مختلف اجتماعات میں شرکت کے لیے امریکہ اور کینیڈا کا دورہ کیا۔

اس دفعہ اس دورے کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ پاکستان میں امریکہ اور کینیڈا کے سفارت خانوں کے ساتھ یہ طے ہوا کہ میں ان ممالک میں دانش وروں اور وزارت خارجہ کے ذمہ داران سے بھی ملاقات کروں۔ ان ملاقاتوں کا اہتمام اس لیے کیا گیا تھا کہ وہ لوگ اسلامی تحریکوں کے موقف کو اس کی قیادت کے ایک اہم آدمی سے براہ راست سننا چاہتے تھے اور میں انھیں اسلام اور مسلمانوں کا عادلانہ موقف سنانا چاہتا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مجھے موقع ملا کہ میں مسلمانوں کے اہم مسائل پر مضبوط دلائل کے ساتھ اسلامی تحریکوں کا عادلانہ موقف امریکی پالیسی ساز اداروں کے اہم افراد کے سامنے بیان کروں۔ ان مجالس میں اہم پاکستانی شخصیتیں بھی شریک تھیں۔ میرا ایک ایک لفظ اسلام اور اسلامی تحریکوں کے عادلانہ موقف کے دفاع میں تھا اور میں کسی موقع پر بھی اپنے اس موقف سے' جو میں پاکستان میں بیان کرتا رہتا ہوں' پیچھے نہیں ہٹا۔ مجھے ان مجالس میں یہ اطمینان بھی حاصل ہوا کہ جب کوئی صاحب ایمان اللہ کے بھروسے پر اعتماد کے ساتھ حق کا اظہار کرتا ہے تو مدمقابل' چاہے وہ اپنی اغراض کی وجہ سے اپنی پالیسی تبدیل کرنے پر آمادہ نہ ہو' خاموش ضرور ہو جاتا ہے۔

میں نے کشمیر' فلسطین' ایٹمی پروگرام' پاکستان اور بھارت کے تعلقات' دہشت گردی' افغانستان اور پاکستان پر امریکی پابندیوں کے بارے میں مختلف مجالس میں اظہار خیال کیا ہے اور وہی بات کی ہے جو ہر اہل حق کو کہنی چاہیے۔

میں نے ہر موقع پر کشمیر کے بارے میں پاکستان کے اس اصولی قومی موقف کا کھل کر اظہار کیا کہ کشمیر تقسیم ہند کے ایجنڈے کا باقی ماندہ حصہ ہے۔ برطانوی حکومت' انڈین نیشنل کانگریس (جو ہندو اکثریت کی نمایندہ تھی) اور آل انڈیا مسلم لیگ (جو ہندستان کی مسلم اقلیت کی نمایندہ تھی) تینوں کے درمیان یہ اصول طے پایا کہ برعظیم کے مسلم اکثریت کے وہ حصے جو آپس میں ملتے ہیں' پاکستان کو ملیں گے اور ہندو اکثریت کے علاقے بھارت کو ملیں گے۔ ریاست جموں و کشمیر ۹۰ فی صد مسلم اکثریت کا علاقہ ہے۔ اس کی ساری وادیاں پاکستان کی طرف کھلتی ہیں۔ یہ طبعی' جغرافیائی' تاریخی' مذہبی اور ثقافتی لحاظ سے پاکستان کا حصہ ہے' لیکن بھارت نے قوت کے مسلسل استعمال اور فراڈ کے ذریعے اس پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ یوں کشمیر

کے لوگ اس آزادی سے اب تک محروم ہیں جو اگست ۱۹۴۷ء میں پورے برعظیم کو مل گئی تھی۔ بارہا وعدوں کے باوجود بھارت اب تک اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد میں ناکام رہا ہے۔ اور اس نے مسلسل یہی رٹ لگا رکھی ہے کہ کشمیر اس کا اٹوٹ انگ ہے۔ حالانکہ خود بھارت اس مسئلے کو اقوام متحدہ میں لے گیا تھا اور اس نے اقوام متحدہ کی قراردادوں پر عمل درآمد کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ جب تک بھارت اپنی اس لایعنی رٹ کو نہیں چھوڑے گا اور کھل کر اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرے گا کہ کشمیر اس کا اٹوٹ انگ نہیں بلکہ متنازعہ علاقہ ہے اس وقت تک کسی بھی فارمولے پر بات کرنا بے نتیجہ ہے۔

میری موجودگی میں کسی بھی میٹنگ میں کوئی اور تجویز اس لیے سامنے نہیں آسکی کہ میرا یہ موقف بالکل واضح تھا کہ جب تک بھارت کشمیر کی متنازعہ حیثیت کو تسلیم نہیں کرتا' کسی بھی اور تجویز پر کوئی بامعنی بات کرنا ممکن نہیں ہے۔ ۲۴ جولائی کو جب میں اپنا دورہ مکمل کر کے وطن واپسی کی تیاری کر رہا تھا' مجھے بی بی سی والوں نے فون پر بتایا کہ عبدالمجید ڈار صاحب نے سری نگر میں یک طرفہ جنگ بندی کا اعلان کیا ہے' میں اس پر اپنا ردعمل دوں۔ میرے لیے یہ اطلاع ناقابل یقین تھی' اس لیے میں نے فوری تبصرے سے گریز کیا لیکن مرکز جماعت سے فون کے ذریعے جب جنگ بندی کے اعلان کی تصدیق ہوئی تو میں نے نیویارک ہی میں اس سے مکمل برات کا اعلان کیا اور اسے ایک ناپختہ ذہن کی کارروائی قرار دیا۔

جماعت کے بعض ناقدین نے اس اعلان کو میرے دورہ واشنگٹن کے ساتھ جوڑنے کی افسوس ناک کوشش کی لیکن الحمدللہ جماعت کے واضح موقف کی وجہ سے انھیں جماعت کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلانے میں کامیابی نہ ہو سکی اور اس سلسلے میں پیدا کیا جانے والا سارا ابہام اب تک دور ہو چکا ہے۔ حزب المجاہدین پوری یکسوئی کے ساتھ دوبارہ جماعت اسلامی کے موقف کی تائید کر رہی ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے بھارت کو ہٹ دھرمی سے باز آنے اور اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق مسئلہ کشمیر کے حل کرنے کے لیے بامقصد سہ فریقی مذاکرات (پاکستان' بھارت اور کشمیری عوام) منعقد کرنے کے موقف پر ثابت قدمی سے قائم ہے۔

فلسطین کا مسئلہ اس وقت انتہائی اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ واشنگٹن میں میری موجودگی کے دوران ہی میں صدر کلنٹن اسرائیلی وزیراعظم ایہود باراک اور فلسطینی رہنما یاسر عرفات کے درمیان مذاکرات کرانے میں مشغول تھے۔ امریکہ اور کلنٹن کی پوری کوشش یہی ہے کہ یاسر عرفات پر دباؤ ڈال کر اسے اس موقف سے دستبردار کر دے جس کی تائید اقوام متحدہ کی پوری جنرل اسمبلی کر چکی ہے' یعنی ۱۹۶۷ء کی جنگ میں مقبوضہ علاقوں بشمول مشرقی یروشلم سے اسرائیل نکل جائے اور فلسطینیوں کو جو ۵۰ سال پہلے اپنے آباواجداد کے گھروں سے نکالے گئے تھے' واپس اپنے گھروں اور علاقوں میں بسنے کا حق دیا جائے۔

امریکہ کا دہرا معیار فلسطین میں کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ اپنے مقاصد اور مفادات کے حصول کے لیے تو وہ اقوام متحدہ کو ذریعہ بناتا ہے لیکن اسرائیل کے مفادات کی خاطر اور فلسطینیوں کے حقوق کا خون کرنے کے لیے اسے اقوام متحدہ کی واضح قراردادوں کی کوئی پروا نہیں ہے۔ حالانکہ اقوام متحدہ نے بھی فلسطینیوں کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور اسرائیل کی ناجائز ریاست کی تشکیل میں اقوام متحدہ نے پورا پورا ساتھ دیا ہے لیکن خود اس ادارے نے جہاں اسرائیل کو کوئی معمولی سی تلقین بھی کی ہے' اسرائیل اسے بھی ماننے کے لیے تیار نہیں ہے اور امریکہ پوری عالمی رائے عامہ کے برخلاف پوری ڈھٹائی کے ساتھ اکیلا اسرائیل کے ساتھ کھڑا نظر آتا ہے۔ وہ یاسر عرفات پر مسلسل دباؤ ڈال رہا ہے کہ فلسطینی اپنے مسلمہ حقوق سے دستبردار ہو جائیں۔ ہم نے ہر فورم پر امریکہ کے اس ظالمانہ رویے کی مذمت کی ہے۔

اس وقت پاکستان پر امریکہ کی طرف سے دہشت گردی کے حوالے سے دباؤ ڈالا جا رہا ہے حالانکہ دہشت گردی کا ہدف خود پاکستان ہے۔ بھارت کے ذمہ دار افراد برملا اس کا اعتراف کرتے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اگر کشمیر میں جہاد جاری رہے گا تو پاکستان میں بھی دھماکے جاری رہیں گے۔ حالانکہ کشمیر کی جدوجہد آزادی بین الاقوامی قانون کے تحت آزادی کی ایک مسلمہ جدوجہد ہے جس کی اخلاقی تائید کرنا اقوام عالم کا فرض ہے۔ جب تک اقوام متحدہ کی قراردادوں کے تحت بھارت کو کشمیریوں کے حق خود ارادیت دینے پر مجبور نہ کیا جائے' اس وقت تک کشمیریوں کے لیے مسلح جہاد ہی واحد راستہ باقی رہ گیا ہے۔ لیکن پاکستان میں دہشت گردی بلاجواز ہے۔ یہ چوری چھپے ہو رہی ہے۔ معصوم اور بے گناہ لوگ اس کا شکار ہو رہے ہیں اور اس کا کوئی قانونی اور اخلاقی جواز نہیں ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ دہشت گردی کو ختم کرنے کا ذریعہ ہے۔ جہاد میں کسی معصوم کے خلاف کارروائی کرنے' اسے گزند پہنچانے یا اسے یرغمال بنانے کی کوئی گنجایش نہیں ہے۔ لیکن معصوم پاکستانیوں کے خلاف دہشت گردی کی کارروائیاں روکنے کے لیے بھارت پر دباؤ ڈالنے کے بجائے پاکستان کے خلاف اس کے ساتھ امریکہ کا گٹھ جوڑ' اور پاکستان کو خطے میں الگ تھلگ کرنے کی کوشش' یہاں تک کہ چین' وسط ایشیا اور روس کو بھی پاکستان اور افغانستان کے خلاف اکسانا ایک کھلی دھاندلی ہے۔ اس حوالے سے میں نے امریکی پالیسی ساز اداروں کے سامنے کہا کہ پاکستان امریکہ کا ایسا حلیف ہے جو امریکی عتاب کا سب سے زیادہ ہدف (most sanctioned ally) ہے۔

ان مسائل کے علاوہ میں نے اسلام اور مغربی دنیا کی تمدنی اور تہذیبی کش مکش میں اسلام کا موقف پیش کرنے کے لیے پانچ اہم موضوعات پر اظہار خیال کیا:

۱- انسان تمام معاملات میں درست رویہ اختیار کرنے کے لیے ہدایت ربانی (divine guidance) کا

محتاج ہے۔ خالق کائنات کی ہدایت سے بے نیاز ہو کر خالص مادہ پرستانہ طرز فکر کے نتیجے میں انسان ہمیشہ افراط و تفریط کا شکار ہوا ہے اور ٹکنالوجی میں ترقی کے باوجود اس وقت عالم مغرب جس اضطراب اور بے چینی کا شکار ہے وہ اسی مادہ پرستانہ رویے کا نتیجہ ہے۔ مغرب میں اگرچہ چند اہل فکر و دانش اب اجتماعی اور انفرادی زندگی میں مذہبی اعتقادات کی اہمیت اور افادیت کے قائل ہو گئے ہیں لیکن عمومی سوچ اب بھی سیکولرزم پر مبنی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ مغرب میں ۴۰۰ سال تک مذہبی توہم پرستی اور عقلیت کی کش مکش کے بعد عقلیت نے اوہام پرستی پر غلبہ پالیا ہے۔ ان کے خیال میں اسلامی دنیا اور مسلمان اسی کش مکش سے اب گزر رہے ہیں جس سے یہود و نصاریٰ نکل آئے ہیں اور جدید سائنسی ترقی اور ٹکنالوجی کا عروج ان کی اسی آزادی کا نتیجہ ہے جو انھوں نے مذہبی اوہام پرستی سے حاصل کر لی ہے۔ اس وقت مغربی معاشرے میں جو اخلاقی زوال آ رہا ہے اور جس طرح سے ان کی خاندانی زندگی افراتفری اور انتشار کا شکار ہے اس سے وہاں کے بعض صاحب دانش پریشان ہیں۔ بلاشبہ مغرب میں ایسے افراد بھی موجود ہیں جو اسلام کی آواز کو اپنے تاریخی پس منظر سے ہٹ کر دیکھنے پر آمادہ ہیں اور اسلام اور اسلامی تحریک کی خصوصیات کو سمجھنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن مغرب کی عمومی روش اب بھی سیکولرزم اور مادہ پرستی ہی کی ہے۔ اس وقت مغرب کو پوری قوت، لیکن حکمت اور دانائی سے، یہ بات سمجھانے کی ضرورت ہے کہ ہدایت ربانی کے بغیر انسان کبھی سکون و اطمینان حاصل نہیں کر سکتا۔

۲- آزادی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے لیکن فرد کی آزادی اجتماع کے لیے سوہان روح نہیں بننی چاہیے۔ نہ ہی ایک گروہ کی آزادی دوسرے گروہ کے لیے اشتعال انگیزی یا دل آزاری کا سبب بننی چاہیے۔ بنیادی حقوق کے تصور میں اعتدال ہونا چاہیے اور پوری دنیا پر مغربی اقدار اور تہذیب کی چھاپ لگانے اور دوسروں کے مذہبی اور دینی اعتقادات کے خلاف اقدامات سے مغربی دنیا کو گریز کرنا چاہیے۔

۳- مرد و زن اگرچہ حقوق میں برابر ہیں لیکن ذمہ داریوں میں اور صلاحیتوں میں برابر نہیں ہیں۔ دونوں کی صلاحیتوں اور ذمہ داریوں میں فرق ہے۔ بعض حیثیتوں سے خواتین کی ذمہ داریاں انسانیت کی خیروفلاح کے لیے زیادہ اہم ہیں لیکن بعض ذمہ داریوں کی صلاحیت صرف مردوں میں موجود ہے۔ عورت پر اس کی جسمانی اور نفسیاتی صلاحیتوں کے علی الرغم مردوں کا بوجھ ڈالنا اس کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔ برابری کا حکم دے کر عورت کو فریب دیا جا رہا ہے جس سے اس کی ذمہ داریوں اور مصائب میں اضافہ ہوا ہے۔ مرد و زن کا امتیاز ختم کرنے کی اس غیر فطری کوشش کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ مغربی دنیا میں خاندانی زندگی برباد ہو گئی ہے۔

۴- عالمی سطح پر وسائل کی تقسیم غیر منصفانہ ہے۔ روے زمین کے ۸۷ فی صد وسائل ۲۰ فی صد

لوگوں کے تصرف میں' جب کہ ۸۰ فی صد لوگوں کے پاس صرف ۱۴ فی صد وسائل ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ وسائل کے بہاؤ کا رخ اس وقت بھی غریب ممالک سے امیر ممالک کی طرف ہے۔ اس غیر منصفانہ تقسیم کا علاج کرنا عالمی امن کے لیے ایک ناگزیر ضرورت ہے۔

۵- بڑے پیمانے پر انسانی ہلاکت کے نیوکلیر' کیمیائی اور حیاتیاتی (biological) ہتھیار اصلاً غیرانسانی اور غیر اسلامی ہیں۔ اسلام کے قانون جنگ کے مطابق جنگ کے دوران بھی کسی غیر محارب (non-combatant) کو گزند پہنچانا ممنوع ہے۔ لیکن مغربی ممالک نے طرح طرح کے ہلاکت خیز ہتھیار ایجاد کر کے انسانیت کی تباہی کا سامان کر لیا ہے۔ اگر ہم ان ہتھیاروں کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے دفاع کا انتظام نہیں کریں گے تو ہمارا حشر بھی ہیروشیما اور ناگاساکی کی طرح ہوگا۔ کیونکہ بقول شاعر مشرق۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

۶- ہمارا نیوکلیر پروگرام دفاعی ہے جارحانہ نہیں ہے۔ اگر امریکہ' روس اور دوسری اقوام بشمول بھارت اور اسرائیل تمام ہلاکت خیز ہتھیار تلف کر دیں تو مسلمان ممالک اور اسلامی تحریکیں بھی ان ہتھیاروں کی تیاری پر اصرار نہیں کریں گی۔ ہمارے پاس انسانیت کی بہبود کا پیغام ہے اور ہمیں یقین ہے کہ مستقبل میں انسان اپنے مسائل کے حل کے لیے اسلام کے عالم گیر پیغام اخوت و محبت کی طرف دھیان دے گا' چاہے وہ دنیا کے کسی کونے میں رہتا ہو۔ لیکن یہ اس صورت میں ممکن ہے جب کہ مسلمان کمزور نہیں بلکہ قوی ہو۔ بقول اقبال:

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد

میں چند ایسی غلط فہمیوں کو دور کرنا چاہتا ہوں جو ہمارے پریس کی رپورٹوں سے پیدا ہوئی ہیں:

میں نے کسی بھی جگہ طالبان کی مخالفت نہیں کی۔ البتہ یہ کہا ہے کہ ہم پاکستان میں طالبان والا نظام نہیں چاہتے۔ ہم پاکستان میں اپنے دستور پر عمل در آمد چاہتے ہیں جس میں قرارداد مقاصد اور اسلامی دفعات بھی شامل ہیں۔ ہم اسلامی نظریاتی کونسل اور وفاقی شرعی عدالت کی سفارشات اور فیصلوں کی روشنی میں غیر سودی نظام معیشت چاہتے ہیں۔ پاکستان کے ذمہ دار ترین علما کا بھی یہی موقف ہے کہ پاکستان کے حالات کے مطابق اس ملک میں اسلام کا نفاذ دستوری جدوجہد کی روشنی میں ہونا چاہیے۔ پاکستان کا دستور' اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات' وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے اور مختلف کمیٹیوں کی سفارشات اس کے لیے کافی مضبوط اور دیرپا بنیاد فراہم کرتی ہیں۔

میں نے ہر جگہ کہا کہ امریکی ایڈمنسٹریشن، امریکی حکومت اور امریکی قوم میں فرق ہے۔ اسلام انسانیت کا دین ہے۔ یہ علاقے، رنگ، نسل اور زبان کی بنیاد پر انسانوں میں تفریق نہیں کرتا۔ ہم دنیا کے کسی بھی حصے کے لوگوں کے دشمن نہیں ہیں بلکہ پوری انسانیت کے خیرخواہ ہیں البتہ ہم امریکی حکومت کی بعض پالیسیوں اور رویوں کو غیرعادلانہ، خلاف اسلام اور مسلمانوں کے خلاف امتیازی سلوک روا رکھنے پر مبنی سمجھتے ہیں۔ میں نے پاکستان میں بھی امریکیوں کو قتل کرنے کی بچگانہ باتوں کی مخالفت کی ہے اور شریعت اسلامی بھی جائز ویزے پر آئے ہوئے مہمان اور سفارت کار کو تحفظ دینے کی واضح ضمانت دیتی ہے۔ کسی صاحب علم کو زیب نہیں دیتا کہ وہ جائز ویزے پر آئے ہوئے غیر مسلم سیاحوں کو قتل کرنے کے فتوے جاری کر دے چاہے وہ دشمن ملک سے تعلق کیوں نہ رکھتا ہو۔

مستقبل کی دنیا، معلومات کے تبادلے اور باہمی رابطوں کی دنیا ہے۔ انفارمیشن ٹکنالوجی کے انقلاب سے پوری دنیا ایک ایسی بستی بن گئی ہے جس میں تمام لوگ باہم مربوط ہیں۔ یہ ایک دوسرے سے اثر پذیر ہو رہے ہیں۔ جو عقیدہ اور نظریہ برتر ہوگا، جس عقیدے کے ماننے والے مخلص اور اپنے عقائد کے مطابق سچے دل سے عمل کرنے والے ہوں گے، جو رویہ انسانوں کے لیے نفع بخش ہوگا وہی عقیدہ و نظریہ اور وہی دین باقی رہے گا اور جو رویہ انسانوں کے لیے مضر ہوگا وہ نیست و نابود ہو جائے گا۔ یہ ایک اٹل حقیقت ہے اور جدید دور میں یہ حقیقت اور بھی کھل کر سامنے آنے والی ہے۔ لیکن شرط یہ ہے کہ مسلمان محض زبانی جمع خرچ ہی نہ کرتے رہیں بلکہ قرآنی عقائد اور تصورات کو سیرت نبویؐ کی روشنی میں صحیح طور پر سمجھنے کی سعی کریں اور ان پر عمل کر کے دنیا کے سامنے اخلاقی طور پر برتر ہونے کا ثبوت پیش کریں۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ○ (الرعد ۱۳:۱۷) اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور ہر ندی نالہ اپنے ظرف کے مطابق اسے لے کر چل نکلا۔ پھر جب سیلاب اٹھا تو سطح پر جھاگ بھی آگئے اور ایسے ہی جھاگ ان دھاتوں پر بھی اٹھتے ہیں جنھیں زیور اور برتن وغیرہ بنانے کے لیے لوگ پگھلایا کرتے ہیں۔ اسی مثال سے اللہ حق اور باطل کے معاملے کو واضح کرتا ہے۔ جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لیے نافع ہے وہ زمین پر ٹھیر جاتی ہے۔ اس طرح اللہ مثالوں سے اپنی بات سمجھاتا ہے۔

مقالہ خصوصی

پاکستانی قوم کو انتباہ!

تری بربادیوں کے مشورے ہیں "آسمانوں" میں!!

پروفیسر خورشید احمد

انگریزی کا محاورہ ہے کہ خطرے سے بروقت متنبہ کرنا' خطرے کے مقابلے کے لیے ہتھیار بند کرنا ہے (to forewarn is to forearm)۔ ہم اسی جذبے اور احساس سے پاکستانی قوم اور امت مسلمہ کو ان منصوبوں اور سازشوں کے بارے میں متنبہ کرنا چاہتے ہیں جن کی کھچڑی مغربی اقوام' خصوصیت سے امریکہ اور بھارت' میں پک رہی ہے اور جنھیں محض خیالی پلاؤ سمجھ کر نظرانداز نہیں کیا جا سکتا۔

جہاں تک اسلام اور امت مسلمہ کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ حق و باطل کی جنگ اور ابلیس و آدم کی کش مکش ازل سے ہے اور ابد تک جاری رہے گی:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

یہ کش مکش نہ ہمارے لیے غیر متوقع ہے اور نہ کوئی نئی چیز! البتہ امت مسلمہ نے بار بار اپنی غفلت یا خوش فہمی کی وجہ سے زمینی حقائق سے صرف نظر کیا اور ٹھوکریں کھائیں۔ آج بھی ہم ایسی ہی صورت حال سے دوچار ہیں اور حیران و ششدر ہیں کہ بحروبر پر آفت اور تباہی کے بادل چھائے ہوئے ہیں لیکن ایک مخصوص طبقہ ایک طرف "سب اچھا ہے" کے فریب میں مبتلا ہے تو دوسری طرف دشمن سے دوستی اور امن و سلامتی کی بھیک مانگ رہا ہے۔ ماضی میں بھی مترفین اور مفاد پرست قیادتوں کا یہی رویہ رہا ہے اور آج بھی ان کا یہی کردار ہے۔ لیکن پاکستان مسلمانوں کا ۱۴ کروڑ آبادی کا ملک ہے۔ یہ ان کی آخری پناہ گاہ ہے اور اس کی حفاظت کی اصل ذمہ داری بھی انھی عوام کی ہے کیونکہ انھی عوام کی قربانیوں سے یہ ملک وجود میں آیا تھا۔ ہمارے مخاطب یہی عوام ہیں جو امت کا اصل سرمایہ اور پاکستان کے حقیقی محافظ ہیں۔

خطرات اور سازشیں کیسی ہی گھمبیر کیوں نہ ہوں' یہ ملک جو اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے ان شاء اللہ قائم رہے گا اور اپنا تاریخی کردار ادا کرے گا۔ لیکن یہ بھی اللہ کا قانون ہے کہ اس کے لیے قوم کو ایک بار پھر مستعد ہو کر اٹھ کھڑا ہونا ہوگا اور ان قیادتوں سے نجات حاصل کرنا ہوگی جن کا ایمان اور بھروسا اللہ اور اس کے دین پر نہیں بلکہ واشنگٹن اور دہلی کے کار فرماؤں پر ہے اور جو اپنی تاریخ' روایات اور ملی عزائم سے سے ناآشنا اور محض وقتی مراعات اور دنیاوی سہولتیں حاصل کرنے کو مقصد حیات بنائے ہوئے ہیں۔ پاکستان کی زندگی' بقا اور ترقی کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ اللہ پر بھروسا اور عوام کی بیداری کا راستہ ہے تاکہ زمام کار طالع آزما بہروپیوں کے بجائے عوام کے حقیقی نمایندوں اور امت مسلمہ کے حقیقی بہی خواہوں کے ہاتھوں میں آسکے تاکہ وہ اپنی قوت بازو سے اپنے مستقبل کی تعمیر کا فریضہ انجام دیں ؂

یہی آئین قدرت ہے' یہی اسلوب فطرت ہے
جو ہے راہ عمل میں گامزن' محبوب فطرت ہے

۱۹۴۷ء میں پاکستان کا قیام عالمی سیاسی افق پر محض ایک مسلمان ملک (جو اس وقت آبادی کے اعتبار سے مسلمانوں کا سب سے بڑا ملک تھا) کا ظہور نہ تھا بلکہ مسلمان ملکوں کی آزادی اور اسلامی احیا کی عالمی تحریک کا نقطۂ آغاز تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ۵۶ مسلمان ملک عالمی نقشے پر ابھر آئے اور ان میں اسلامی نظام کا قیام اور شریعت کے احیا کی جدوجہد شروع ہوگئی۔ ایران کا اسلامی انقلاب (۱۹۷۹ء)' افغانستان سے روس کی پسپائی (۹۰-۱۹۸۸ء) اور عالمی اشتراکی تحریک اور روس کی عالمی قوت کا انتشار وہ فیصلہ کن واقعات تھے' جنھیں اسلام دشمن قوتوں نے خطرے کی گھنٹی قرار دیا اور اسلامی احیا کی راہوں کو مسدود کرنے کے لیے مسلم امہ کے خلاف ایک کثیر جہتی جنگ کا آغاز کیا۔

سیاست' معیشت' مالیات' ثقافت' تعلیم' تحدید آبادی' میڈیا--- غرض ہر محاذ پر ایک سوچی سمجھی جنگ کا آغاز کر دیا گیا تاکہ عالم اسلام اپنا عالمی کردار ادا نہ کر سکے اور استعمار کے نئے جال کا شکار ہو جائے۔ اس جنگ کے مختلف محاذ اور اس حکمت عملی کے مختلف اہداف ہیں' مثلاً: سیاسی نقشے کی تبدیلی' قدرتی اور مادی وسائل پر دوبارہ قبضہ' مالیاتی انتشار اور قرضوں کی غلامی' علاقائی' لسانی' گروہی اور فرقہ وارانہ تعصبات کا طوفان' باہمی جنگ و جدل اور خانہ جنگی' معاشی مار' فکری اور تعلیمی استیلا اور فن وثقافت کے نام پر ناچ رنگ اور لہو ولعب کا سیلاب' اور فوجی قوت کا اضمحلال اور تباہی وغیرہ۔ عراق ایران جنگ ہو یا خلیج کی جنگ' بوسنیا' کوسووا' چیچنیا' تاجکستان کی تباہی ہو یا افغانستان کی خانہ جنگی' کیمپ ڈیوڈ' اوسلو اور میڈرڈ کا سیاسی عمل ہو یا ڈیٹن معاہدہ' جینیوا ایکارڈ ہو یا اعلانات لاہور اور واشنگٹن' الجزائر کی خانہ جنگی ہو یا صومالیہ

اور اریٹریا کی نسل کشی' عراق کے حصے بخرے ہوں یا ترکی اور کردوں کی کش مکش' مغربی اقوام میں اسلاموفوبیا کا طوفان ہو یا عالم اسلام میں تشدد کے نام پر مسلمانوں پر ریاستی جبرو ظلم کا طغیان--- یہ سب اسی نقشہ جنگ کے مختلف پہلو اور محاذ ہیں۔

سب سے تشویش ناک بات یہ ہے کہ تباہی کے اس کھیل میں خود مسلمان اور عرب ملکوں کی قیادتیں مغربی اقوام کی حلیف اور شریک کار بنی ہوئی ہیں۔ ان کے درمیان مفادات کے اشتراک کا ایک نظام قائم ہو گیا ہے اور یہ اپنے ہی چمن کو برباد کرنے اور لوٹنے میں مخالف قوتوں کے آلہ کار بن رہے ہیں۔ عالم اسلام کے خلاف اس یلغار کے بڑے بڑے اہداف یہ ہیں:

۱- مسلمانوں میں فکری اور ذہنی انتشار پیدا کر کے اسلام کو متنازع بنانا۔ بنیاد پرستی' تشدد' حقوق سے محرومی' مرد و زن کا تصادم اور خاندانی نظام کے دروبست کا انتشار--- آزادی' ترقی' مساوات' جدت اور خوش حالی کے نام پر نام نہاد لبرلزم اور سیکولرزم کو مسلمانوں پر مسلط کرنا۔

۲- امت کی نظریاتی' آئینی اور اخلاقی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور مسلمان ممالک کو اسلام اور اسلامی اتحاد سے دور لے جانے کے لیے ان میں علاقائی' لسانی' گروہی اور فرقہ وارانہ اختلاف کو ہوا دینا اور اس کش مکش کو تشدد کے راستے پر ڈالنا۔

۳- جن ممالک میں اسلامی احیا کے امکانات زیادہ ہیں یا جو عالم اسلام کی وحدت کا ذریعہ بن سکتے ہیں ان کو خاص طور پر سیاسی انتشار کا شکار کر کے ان کے حصے بخرے کرنے کا منصوبہ' جس طرح اس صدی کے آغاز میں دولت عثمانیہ کو پارہ پارہ کیا گیا اور استعماری قوتوں کی سیاست کاری کے نتیجے میں عالم اسلام کے سیاسی نقشے کو اس طرح بنایا گیا کہ مسلمان کمزور اور منقسم رہیں (ملاحظہ ہو سائیکس پیکاٹ معاہدہ ۱۹۱۶-۱۹۲۲ء' معاہدہ وارسائی ۱۹۱۹ء' اعلان بالفور ۱۹۱۷ء)۔

انھی خطوط پر آج پھر موجودہ نقشے کو بدلنے کی سازشوں پر تیزی سے عمل ہو رہا ہے۔ اس کے بڑے بڑے ہدف پاکستان' ترکی' انڈونیشیا' وسط ایشیا' عراق اور خود سعودی عرب ہیں۔ ایک ایسے دور میں جب یورپ اتحاد کی طرف جا رہا ہے' امریکہ' شمال اور جنوب دونوں کے ممالک کو معاشی اور سیاسی الحاق میں سمونے کی کوشش کر رہا ہے اور روس ایک بار پھر یورپ اور ایشیا کے ان ممالک کو کسی نئے انتظام میں پرونے میں مصروف ہے جو اس کے پرانے نظام کا حصہ تھے' ساری کوشش ہے کہ عالم اسلام منتشر اور پراگندہ رہے اور اس کی ساری قوتیں اندرونی خلفشار کی نذر ہو جائیں۔

۴- اس سیاسی کھیل کا ایک اہم ہدف عالم اسلام کے معاشی وسائل پر قبضہ اور عالم گیریت کے نام پر اسے امریکہ اور یورپ کی چراگاہ بنانا ہے۔

۵۔ عالم اسلام کو عسکری طور پر کمزور رکھنا' محض اپنے تجارتی منافع کے لیے ایک طرف اسے ناکارہ اسلحہ فراہم کرنا' تو دوسری طرف خانہ جنگیوں کے ذریعے جو بھی عسکری قوت اسے حاصل ہے اسے تباہ کر دینا' نیز اس امر کا اہتمام کہ اعلیٰ ترین ٹکنالوجی سے یہ ممالک محروم رہیں اور چونکہ پاکستان نے ایٹمی صلاحیت حاصل کر لی ہے تو کوشش ہے کہ کسی نہ کسی طرح اس صلاحیت کو تباہ کر دیا جائے تاکہ مسلم ممالک کے لیے یہ راستہ مسدود ہو جائے۔

۶۔ دنیا کے معاشی وسائل اور مالی نظام پر مکمل قبضے کے ساتھ ساتھ معلومات پر مکمل کنٹرول۔ نیز میڈیا کی قوت کے ذریعے فکروفن اور ثقافت و تہذیب کے میدان میں مغرب کے رنگ میں رنگنے اور مارشل آرٹس' سخت کوشی اور تحقیق و اجتہاد کے راستے سے ہٹاکر مسلمان اقوام کو ناچ گانے' لہوولعب اور اباحت اور جنسی بے راہ روی میں مبتلا کرنا تاکہ ان کی مقابلے کی قوت کمزور اور تحلیل ہوتی جائے' مغربی استعمار کی بالادستی قائم رہے اور امریکہ کو ۲۱ ویں صدی کی عالمی طاقت کی حیثیت سے غلبہ حاصل رہے۔

یہ ہے نقشہ جنگ جس پر امریکہ اور یورپی اقوام عمل پیرا ہیں۔ اس جنگ میں انھوں نے اسرائیل اور بھارت کو اپنا حلیف اور آلہ کار بنالیا ہے اور ان دونوں نے بھی اپنے اپنے مقاصد کے لیے ایک اہم کردار اختیار کر لیا ہے۔

اس پس منظر میں ان تحقیقی رپورٹوں' تصوراتی مطالعوں' سیاسی تجزیوں اور مستقبل کی خطوط کاریوں پر غور کرنے کی ضرورت ہے جن کا ایک سیلاب امریکہ اور یورپ کے سیاسی حلقوں میں آ رہا ہے۔ یہ تحریریں مغربی اقوام کے ذہن اور عزائم کی آئینہ دار ہیں۔ بظاہر یہ سچ اور جھوٹ' حقائق اور واہمات' تجزیہ اور خیال آرائی' توقعات اور اندیشوں کا ملغوبہ نظر آتی ہیں۔ یہ ان کے خبث باطن کا اظہار سہی' لیکن اس سب کے باوجود ان کا مطالعہ اور تجزیہ ضروری ہے تاکہ مخالف قوتوں کے منصوبوں کو سمجھا جا سکے' اپنی کمزوریوں اور خامیوں کا جائزہ لیا جا سکے اور اصلاح کی جا سکے' اور دشمن کی چالوں کا جواب دینے کے لیے تیاری اور منصوبہ بندی کی جا سکے۔

امریکہ کے سابق صدر رچرڈ نکسن نے ۱۹۸۵ء میں ریگن اور گوربا چوف کی پہلی چوٹی کی سطح کی میٹنگ کے موقع پر رسالہ فارن افیئرز میں اسلامی انتہاپسندی کے خطرات اور ۱۹۸۵ء میں نیٹو کے سیکرٹری جنرل نے سرخ کے مقابلے میں سبز خطرے کی نشان دہی سے اس سلسلے کا آغاز کیا تھا۔ پھر ۱۹۹۴ء میں پروفیسر سیموئیل ہنٹنگٹن نے فارن افیئرز میں اور پھر تہذیبوں کے تصادم پر کتاب میں نئے خطوط اور کرداروں کی نقشہ کشی کی۔ یہ سلسلہ بڑی شدومد سے جاری ہے۔ کوئی مہینہ ایسا نہیں جاتا کہ چند اہم مضامین اور کتابیں

اس دل پسند موضوع پر شائع نہ ہوتی ہوں۔ اس سلسلے میں پچھلے چند مہینوں سے پاکستان کو خصوصی موضوع بنایا جا رہا ہے جو بہت معنی خیز ہے۔

امریکہ کی وزارت دفاع' وہائٹ ہاؤس اور کانگرس اور سینیٹ کی مختلف کمیٹیاں اس سلسلے میں کافی متحرک ہیں۔ ایک ۲۸ رکنی کمیشن نے' جس نے سابق سینٹرز گیری ہارٹ اور رین روڈمین کی سربراہی میں کام کیا' جن نکات کو ابھارا ان میں سے قابل ذکر یہ ہیں:

--- افغانستان کے حالات پاکستان کی سلامتی کے لیے خطرے کا باعث ہو سکتے ہیں۔

--- آیندہ ۲۵ سال پاکستان کے لیے بہت خطرناک ہیں۔ اس زمانے میں پاکستان میں ٹوٹ پھوٹ کا عمل واقع ہوگا جو دنیا کا سب سے ہنگامہ خیز اور فوری توجہ کا مسئلہ بن سکتا ہے۔

--- طالبان' بھارت' ایران اور چین کے درمیان جنگ کے امکانات ہیں۔

--- پاکستان اور بھارت کے درمیان کشمیر کے مسئلے پر جنگ ہو گی۔

--- پنجاب' سندھ اور بلوچستان میں پھوٹ پڑے گی۔ بلوچ' پشتون اور مہاجر الگ ریاستوں کا مطالبہ کریں گے اور اس سے پاکستان کی داخلی سلامتی متاثر ہوگی۔

--- پاکستان معاشی طور پر بدحال اور سیاسی طور پر مفلوج ہو جائے گا۔

یہ رپورٹ ۱۹۹۹ء میں تیار ہوئی اور اس سال کے شروع سے پالیسی ساز حلقوں میں گردش کر رہی ہے۔

۱۴۷ صفحات کی ایک دوسری رپورٹ بہ عنوان' ایشیا ۲۰۲۵ء (Asia 2025)' وزارت دفاع نے تیار کرائی ہے اور ابھی حال ہی میں منصہ شہود پر آئی ہے۔ اس کے مندرجات کو اس کی ایک رکن ایشلے ٹیبس (Ashely Tebis) نے' جس کا تعلق رینڈ کارپوریشن سے ہے' افشا کیا ہے جو بھارت کے رسالے Outlook (۱۸ ستمبر ۲۰۰۰ء) میں شائع ہوئی ہے۔ اس میں تین منظرنامے (scenarios) پیش کیے گئے ہیں جن میں خاکم بدہن پاکستان کا انتشار' شکست اور بھارت میں انضمام' انڈونیشیا کی بربادی اور ایشیا میں چین اور بھارت کی بالادستی کا قیام اور مشرقی ایشیا میں چین کی کامیابی اور تائیوان کی بازیابی مرکزی موضوع ہیں۔ پاکستان کے بارے میں چند اہم اقتباسات:

نئے جنوبی ایشیا کے اس فرضی منظرنامے کا آغاز ۲۰۱۰ء میں پاکستان کے ممکنہ خاتمے سے ہوتا ہے جہاں روز افزوں معاشی بحران' لسانی تنازعات اور امن عامہ کے محاذ پر حکومت کی بے بسی سے عدم استحکام میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔

سندھی' بلوچ اور پٹھان جو طویل عرصے سے پنجاب کے زیر تسلط پاکستان سے ناراض چلے آرہے

ہیں' بغاوت کر دیتے ہیں۔ مہاجر سڑکوں پر نکل آتے ہیں۔ اسلامی انتہاپسندی اس عدم استحکام میں دو طرح سے اضافے کا باعث بنتی ہے: اول' "طالبان" کی جانب سے ملک کو کمزور کرنے کی کوششیں اور دوم' جماعت اسلامی کی بڑھتی ہوئی طاقت۔

۲۰۱۲ء تک پاکستان مکمل طور پر مفلوج ہو چکا ہے۔ بھارت اپنی افواج کو آزاد کشمیر میں داخل کر دیتا ہے۔ پاکستان بھارت کو خبردار کرتا ہے کہ اگر اس نے اپنی افواج کو آزاد کشمیر سے واپس نہیں بلایا تو وہ بھارت پر ایٹمی حملہ کر دے گا--- پاکستان کی جانب سے ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال کے اندیشے سے خوف زدہ ہو کر بھارت روایتی ہتھیاروں کی مدد سے پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کرنے کی غرض سے حملہ کر دیتا ہے' جو ناکام ثابت ہوتا ہے۔ تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق پاکستان بھارت سے ملنے والی سرحدوں پر موجود بھارتی افواج پر ایٹمی حملہ کر دیتا ہے۔ دریں اثنا امریکی انٹیلی جنس بتاتی ہے کہ اسلامی انتہاپسند عناصر پاکستان کے باقی ماندہ ایٹمی ہتھیاروں پر قبضہ کر رہے ہیں۔ اس خبر سے شہ پاکر امریکہ روایتی ہتھیاروں کی مدد سے پاکستان کے ایٹمی مراکز پر حملہ کر دیتا ہے۔

پاکستان میں مکمل انارکی کا دور دورہ ہے۔ بھارتی افواج امن و امان بحال کرنے کی غرض سے پاکستان میں داخل ہو جاتی ہیں۔ ملک کا شیرازہ منتشر ہونے کے ساتھ ہی پاکستانی علاقے بھارت سے الحاق کر لیتے ہیں۔ سندھ' بلوچستان اور سرحد کی اسمبلیاں بھارتی کنفیڈریشن میں شمولیت کی منظوری دیتی ہیں۔ ایک وسیع بھارتی کنفیڈریشن وجود میں آجاتی ہے۔ الگ تھلگ پنجاب بھی بالآخر مجبور ہو کر اس کنفیڈریشن میں شامل ہو جاتا ہے تاکہ بھارتی مشرقی پنجاب میں ضم ہو کر "عظیم تر پنجاب" کی تشکیل ممکن ہو سکے۔

اس مطالعے کے مطابق ۲۰۲۰ء میں' پاکستان دنیا کے نقشے سے غائب ہوچکا ہے اور بھارتی کنفیڈریشن اس علاقے کی سپراسٹیٹ کا درجہ حاصل کر چکی ہے--- بھارت ایشیا کی ایک اہم علاقائی طاقت بن چکا ہے۔ امریکی منصوبہ ساز امریکی محکمہ دفاع پر زور دے رہے ہیں کہ وہ علاقے میں بھارت کی بڑھتی ہوئی اقتصادی اور جنگی اہمیت اور کردار کا پیشگی ادراک کریں (مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ کیجیے روزنامہ جنگ' لاہور' ۱۵ ستمبر ۲۰۰۰ء)۔

اس رپورٹ ہی کے خطوط پر بی بی سی کے ایک نامہ نگار ہمپفرے ہاکسلے (Humphrey Hawksley) کی تازہ ترین کتاب ابھی ۲۴ اگست ۲۰۰۰ء کو لندن سے میک ملن (Macmillan) نے شائع کی ہے جسے Dragonfire کا نام دیا گیا ہے۔ بظاہر یہ ایک ناول ہے جس میں آیندہ جنگ کا نقشہ پیش کیا گیا ہے مگر نہ یہ

ناول ہے اور نہ رپورتاژ---- بلکہ مئی ۲۰۰۷ء میں پاکستان' بھارت' چین' روس' جاپان اور امریکہ کے دارالخلافوں اور اہم جنگی محاذوں کی رپورٹ ہے جو بی بی سی اور سی این این کی خبررسانی کے انداز میں پیش کی گئی ہے اور جس کے بارے میں مصنف نے کہا ہے کہ اس کی نوعیت مستقبل کی تاریخ (future history) کی ہے۔ وہ لکھتا ہے:

ایشیا میں واقعات کی رفتار اتنی تیز ہے کہ کئی مواقع پر حالات نے میری تحریر کو پیچھے چھوڑ دیا۔ آج جو بات کہانی ہوتی ہے' کل وہی تاریخی واقعہ ہو جاتی ہے۔

لطف کی بات ہے کہ اس کتاب کی تیاری کے لیے مصنف نے تین سال تحقیق کی ہے اور جن لوگوں سے انٹرویو لیے ہیں ان میں امریکہ' بھارت اور پاکستان کی اہم شخصیات شامل ہیں۔ امریکہ سے رینڈ کارپوریشن کی ایشلے ٹیس اور ییہ یونی ورسٹی کے بھارت نژاد پروفیسر راجن منین اور پاکستان سے فرائیڈے ٹائمز کے مدیر خالد احمد' مرزا اسلم بیگ اور تنویر احمد خاں وغیرہ۔

کتاب کا مرکزی خیال امریکہ کے اپنے معاملات میں زیادہ دل چسپی کی وجہ سے ایشیا میں قیادت کا خلا اور اسے پُر کرنے میں بھارت اور چین کا کردار ہے۔ گو بالآخر بھارت بھی اس علاقائی جنگ و جدل میں بری طرح مجروح ہوتا ہے لیکن باقی رہتا ہے اور ایک علاقائی قوت بنتا ہے۔ اصل خسارہ پاکستان کا ہے جسے خاکم بدہن صفحہ ہستی سے مٹا دیا جاتا ہے اور علاقے پر چین کی بالادستی قائم ہو جاتی ہے۔ جنگ کا سبب کشمیر میں اسلامی قوتوں کی مداخلت ہے جس میں دینی جماعتوں اور خصوصیت سے جماعت اسلامی کے کردار کو نمایاں کیا گیا ہے۔ فوج اور اسلامی قوتوں میں اشتراک اور تعاون کو اس صورت حال کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔ اصل ہدف فوج اور اسلام ہیں۔ مئی ۲۰۰۷ء میں پاکستان کا منظر یوں پیش کیا گیا ہے:

بھارت سے ہمیشہ خطرہ محسوس کرنے والا اور اپنے بددیانت لیڈروں کے زیرِ حکمرانی پاکستان ابھی تک وہ اسلامی کامیابیاں حاصل نہیں کر سکا جس کا خواب اس کے بانیوں نے دیکھا تھا۔ صدی کے آغاز پر اس نے خود ہی ایٹمی قوت ہونے کا اعلان کیا اور ایک فوجی حکومت قائم ہو گئی۔ مسلسل عالمی دباؤ کے تحت پاکستان نے جمہوریت کا ایک اور تجربہ کیا لیکن یہ ملک کو تباہی سے نکالنے میں ناکام رہا۔ ایک دفعہ پھر' فوج اور اسلام پر کشش متبادل کے طور پر سامنے آئے (ص ۴۲)۔

پوری کہانی کا حاصل یہ ہے کہ کشمیر سے جنگ کا آغاز ہوا' بھارت نے فوج کشی کر دی' کہوٹہ کو تباہ کرنے کی کوشش کی جو ناکام رہی' پاکستان نے بھارت کی فوجوں پر ایٹمی حملہ کر دیا' امریکہ نے مداخلت کی اور کہوٹہ کو تباہ کر دیا۔ چین نے بھارت پر حملہ کیا اور بری طرح تباہی مچائی۔ پاکستان' اس کی فوج' ایٹمی صلاحیت بالکل تباہ ہو گئے۔ بمبئی کی تباہی کے باوجود بھارتی فوجوں نے پاکستان پر قبضہ کر لیا اور ایشیا میں دو

ایٹمی طاقتیں کارفرما قوت تسلیم کرلی گئیں: چین اور بھارت!

جماعت اسلامی، حزب المجاہدین، لشکر طیبہ اور حرکتہ المجاہدین کا بار بار ذکر ہے۔ ضیاء الحق کو بھی معاف نہیں کیا گیا۔ شریعت کی بالادستی کا ہوا دکھایا گیا ہے۔ پاکستان اور چین میں بدگمانیاں پیدا کرنے کے لیے سنکیانگ میں جہادی قوتوں کی کارروائیاں زیر بحث آئی ہیں۔ اس کتاب میں بھارت کی جنگی تیاریوں اور اس کی حکمت عملی کی برتری کو نمایاں کیا گیا ہے۔ پاکستانی فوج کی قیادت جذباتی اور منصوبہ بندی میں خام اور بھارتی کمانڈر حالات سے باخبر اور پاکستان کی سرزمین کے چپے چپے کے بارے میں معلومات سے آراستہ نظر آتے ہیں۔ اصل ہدف یہ ہے کہ امریکہ بالآخر بی-۲ سے حملہ کر کے پاکستان کو اس کی ایٹمی صلاحیت سے محروم کر دے۔

کتاب کے آخری باب (Epilogue) میں چین کی فتح، بھارت کی از سرنو تعمیر کے آغاز اور پاکستان کو اقوام متحدہ کی عارضی تولیت میں دینے کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ بقول مصنف، بھارت میں ادغام بھی ایک امکان تھا مگر پاکستان کے عوام کی شدید مخالفت اور مسلم دنیا کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے ملک کو اقوام متحدہ کی فوجوں کی تحویل میں دیا گیا۔ بھارت میں دہلی اور بمبئی تباہ ہوئے مگر نئے انتخاب کے بعد ان کی تعمیر شروع ہو گئی۔ اسٹاک ایکسچینج کو مدراس منتقل کر دیا گیا۔

بھارت کے وزیر دفاع جارج فرنانڈس نے اس ناول Dragonfire کو حقیقت پسند (realistic) ناول کہا ہے (دی ایشین ایج، لندن، یکم ستمبر ۲۰۰۰ء)۔

آپ اسے ناول کہہ لیں، واہمہ قرار دے لیں، خیالی پلاؤ کا نام دے لیں، حقیقت یہ ہے کہ مغرب کا اصل ہدف پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کو تباہ کرنا، اسلام کی قوت کو کمزور کرنا اور فوج کو بے دست و پا کرنا ہے۔ اگر پاکستانی قوم اور امت مسلمہ اس کھیل اور اس کے اصل اہداف کو سمجھنے سے محروم رہتی ہے تو دشمن کامیاب ہے اور اگر ہم دشمن کے اصل عزائم کی تصویر دیکھ کر اسی نسخے یعنی قوت کے حصول اور اس کے بروقت اور جرأت مندانہ استعمال کا راستہ اختیار کرتے ہیں تو مستقبل ہمارا ہے ؎

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

ستمبر ۲۰۰۰ء کے Atlanatic Monthly میں رابرٹ کاپلان کا مفصل مضمون The Lawless Frontiers آیا ہے جس میں بلوچستان، طالبان، شمال مغربی صوبہ، کراچی، جنرل مشرف اور اٹک فورٹ کے عنوانوں کے تحت یوگوسلاویہ کی طرح پاکستان کے منتشر ہو جانے کے امکانات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جماعت

اسلامی' دینی قوتوں اور اسامہ بن لادن کا ہوا یہاں بھی مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ جنرل مشرف اپنے تمام لبرلزم کے باوجود ان قوتوں کے اسیر بنا کر پیش کیے گئے ہیں۔ علاقائی اور لسانی قوتوں کے پنجاب کے خلاف صف آرا ہونے کی تصویر کشی کی گئی ہے اور دریائے سندھ کو علاقے کے جغرافیہ ہی نہیں سیاسی نقشہ کا خالق بنا کر پیش کیا گیا ہے اور تصور ہی تصور میں بھارت کو اس کے کناروں تک حکمران دکھایا گیا ہے اور ساتھ ہی یہی "خدشہ" ظاہر کر دیا گیا ہے کہ:

یہ توقع نہ کیجیے کہ پاکستان تاریخ کے صفحات سے خاموشی سے مٹ جائے گا۔

اخبارات اور رسائل میں یہ سلسلہ رنگ بدل بدل کر اور نقشے کھینچ کھینچ کر جاری ہے۔ مقصود تمام تحریروں کا احاطہ نہیں۔ ان چند تحریروں سے ان منصوبوں اور سازشوں کو سمجھنا ہے جو ملت اسلامیہ پاکستان کو سیاسی نقشے سے مٹانے کے لیے کی جا رہی ہیں۔

ہمیں یقین ہے کہ دشمنوں اور بدخواہوں کی ساری سازشوں اور کوششوں کے علی الرغم ان شاء اللہ پاکستان قائم رہے گا اور یہ قوم اپنی اصل منزل کی طرف ضرور گامزن ہو گی۔

لیکن یہ مقصد محض خواہشات سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ سب سے پہلی ضرورت خطرات کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لیے مناسب حکمت عملی اور موثر اقدام کی ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے ایک طرف ہم اپنی منزل اور اہداف کا صحیح تعین کریں تو دوسری طرف اپنے اصل دوست اور دشمن میں تمیز کریں تاکہ کھلے دشمنوں سے بھی معاملہ کر سکیں اور دام ہم رنگ زمین سے بھی بچ سکیں۔

سب سے پہلی بات یہ سمجھنے کی ہے کہ دشمن جو سازشیں کر رہا ہے اور جال بن رہا ہے اس کی بڑی وجہ ہماری اپنی کمزوری اور ملکی قیادتوں کی بے وفائی اور مفاد پرستی ہے۔ گذشتہ دس سال پاکستان کی تاریخ کے بیش تر عرصے میں برسراقتدار بڑی پارٹیوں کی قیادتوں نے ملک کو لوٹا اور معاشی' سیاسی' اخلاقی' تہذیبی' تعلیمی غرض ہر اعتبار سے ملک کو کھوکھلا کیا اور کرپشن اور بدانتظامی کی انتہا کر دی۔ لیکن نیوکلیر استعداد کی ترقی اور کشمیر کی تحریک جہاد کی تائید تاریک افق پر روشنی کی کرنیں ہیں۔ بلاشبہ پاکستان کی معیشت اپنی غلطیوں کی وجہ سے اس وقت بحران کا شکار ہے لیکن معاشی استعداد اور وسائل کے اعتبار سے پاکستان ایک مضبوط اور نمو پذیر معیشت کا مالک ہے۔ نہ وسائل کی کمی ہمارا مسئلہ ہے اور نہ امکانات سے محرومی---- اصل مسئلہ غلط قیادت اور غلط تر پالیسیاں ہیں جن کی وجہ اقتدار پر ایک ایسے گروہ کا قبضہ ہے جسے خدا کا خوف ہے نہ خلق کی شرم---- جس نے سیاسی اور معاشی وسائل کو اپنی ذات اور اپنے گروہ کے فائدے کے

لیے استعمال کیا ہے اور ملک کے اداروں کو تباہ کر کے اقتدار کو اپنے ہاتھوں میں مرکوز کرنے کی مکروہ کوشش کی ہے۔ عوامی احتساب اور عوام میں سے ایک ایمان دار اور باصلاحیت قیادت وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اور یہ نئی قیادت ملک کی اسلامی قوتیں ہی فراہم کر سکتی ہیں۔ ان کی ذمہ داری ہے کہ حزبی اور گروہی سطح سے بلند ہو کر پوری قوم کو اعتماد میں لیں اور اس کے سارے اچھے عناصر کو ساتھ لے کر چلیں، قوم کے سامنے اس کا حقیقی مشن رکھیں اور اس مشن کو حاصل کرنے کے لیے قیادت بھی فراہم کریں۔ بیرونی قوتیں ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں بشرطیکہ ہم جاگ رہے ہوں اور اپنی قوتوں کو اپنے مقاصد کے حصول کے لیے وقف کر دیں۔

جن حالات اور خطرات میں پاکستان اس وقت کھڑا ہوا ہے اس میں قومی ایجنڈے پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔ اس ایجنڈے کے اہم نکات یہ ہیں:

۱- **پاکستان کی بنیاد، اسلام**: پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے۔ اسلام اس کی بنیاد، اس قوم کی منزل اور اس کی قوت کا راز ہے۔ اسلام اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مکمل وفاداری کا نام ہے۔ اسلام حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ایک مکمل نظام ہمیں دیتا ہے اور پوری انسانی زندگی کو خدا پرستی، حسن اخلاق، خدمت خلق اور عدل و انصاف کی بنیادوں پر استوار کرتا ہے تاکہ مسلمان اپنے لیے اور پوری انسانیت کے لیے باعث رحمت بنیں۔ یہی ہماری منزل ہے اور اس سے سرمو انحراف پاکستان کی کمزوری کا باعث ہوگا اور اللہ سے بے وفائی کا۔ یہ پہلی بنیاد ہے جس پر کوئی سمجھوتہ یا کمزوری ممکن نہیں۔

۲- **صحت مند جمہوری نظام**: پاکستان کسی فرد، گروہ یا طبقہ کی جاگیر نہیں۔ یہ ملک مسلمانان برعظیم کی عوامی اور جمہوری تحریک کے نتیجے میں قائم ہوا ہے اور وہی اس ملک کے اصل امین اور محافظ ہیں۔ عوام کی آزادی، حقوق کی حفاظت، سیاسی نظام کو بنانے اور چلانے کے اختیار کی ضمانت ہی میں ہماری ترقی کا راز ہے۔ ۱۹۷۳ء کا دستور انھی بنیادوں پر قائم ہے یعنی اسلام، جمہوریت اور وفاق۔ کسی کو اس میں تبدیلی کا حق نہیں۔ دستور کی ان تمام بنیادوں پر خلوص اور دیانت سے عمل ہی کے ذریعے ملک میں صحت مند جمہوری نظام قائم ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے احتساب اور انتخاب دونوں ضروری ہیں اور دونوں کو اپنے اپنے اصولوں کے مطابق ہونا چاہیے، لیکن کسی نوعیت کی آمریت---- خواہ سول ہو یا فوجی، حالات کو خراب کرنے کا ذریعہ تو بن سکتی ہے، اصلاح کا نہیں۔

۳- **آزاد خارجہ پالیسی**: پاکستان کی آزادی اور سلامتی کا تحفظ، خود انحصاری کے راستے پر عمل کرنے میں ہے۔ دنیا کے تمام ممالک اور خصوصیت سے مسلمان ممالک کے ساتھ دوستی اور تعاون ہمارا

قومی موقف ہے لیکن ہماری خارجہ پالیسی اور معاشی پالیسیاں امریکہ کی اسیر بن کر رہ گئی ہیں۔ اس سے ہم نے دھوکے ہی کھائے ہیں اور چرکے ہی سہے ہیں۔ اس جال سے جتنی جلدی نکلا جائے اتنا بہتر ہے۔ ہمارے لیے ایک مکمل طور پر آزاد خارجہ پالیسی اور ایک ایسی معاشی پالیسی ضروری ہے جو پاکستان کے مفادات کی حفاظت کر سکے اور علاقے میں ہمارے مثبت کردار کی ضامن ہو۔

۴- **معاشی عدل اور خوش حالی**: ملکی سلامتی اور عوامی ضروریات کی فراہمی کے لیے معاشی پالیسی کی مکمل تشکیل نو ناگزیر ہے۔ معیشت کو عالمی مالی اداروں اور عالم گیریت کے سامراجی جال سے نکالنا اور ریاست اور بازار منڈی دونوں کے درمیان تعاون اور اشتراک کے ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جو قومی مفادات کا محافظ اور ملکی ترقی' معاشی عدل اور خوش حالی کا ضامن ہو۔ زراعت کی ترقی' بچت اور سرمایہ کاری' آجر اور اجیر کا تعاون' غربت کا انسداد اور عوامی ضرورت کی اشیا اور خدمات کی ترجیحی فراہمی' نئی معاشی پالیسی کے اہداف ہونے چاہییں۔ معاشی ترقی کا محور پاکستان اور اس کے لوگوں کی ضروریات کو ہونا چاہیے' ورلڈ بنک اور ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کی مصلحتوں کو نہیں۔

۵- **ایٹمی صلاحیت کی حفاظت**: پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کی حفاظت اور ملکی دفاع اور سلامتی کی تمام ضرورتوں کے بارے میں کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کیا جا سکتا۔ پاکستان مخالف قوتوں کا ہدف بالکل صاف شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی سازشوں کو ناکام بنا دیں' اور مقابلے کی ایسی ہمہ پہلو عسکری معاشی' سیاسی اور اخلاقی قوت حاصل کریں جو دوسروں کو ہر جارحیت سے باز رہنے کا پیغام دے۔

۶- **کشمیر' بقائے پاکستان**: کشمیر کا مسئلہ کسی خطہ زمین کے حصول' یا دو ملکوں کے مفادات کا مسئلہ نہیں بلکہ قیام پاکستان کے ایجنڈے کا نامکمل حصہ ہے۔ یہ سوا کروڑ مسلمانوں کے حق خود ارادیت اور خود پاکستان کی تکمیل کا مسئلہ ہے۔ جو حضرات کشمیر یا پاکستان کی باتیں کر رہے ہیں وہ نہ کشمیر کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور نہ پاکستان کی حقیقت سے شناسا معلوم ہوتے ہیں۔ کشمیر کی آزادی کی جدوجہد دراصل پاکستان کی حفاظت اور بقا کی جنگ ہے۔ ان میں یہ یا وہ (either / or) کا رشتہ نہیں۔ کشمیر کا مسئلہ بھارت اور پاکستان کا سرحدی مسئلہ نہیں ہے۔ اس کا حل صرف اور صرف اقوام متحدہ کی قراردادوں کے مطابق اہل جموں و کشمیر کے حق خود ارادیت کا حصول ہے اور جب تک یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا' کشمیر کی تحریک مزاحمت کی مکمل تائید و معاونت پاکستان ہی نہیں' پوری امت مسلمہ کا فرض ہے۔ بھارت کے تسلط اور ناجائز قبضے کے خلاف اہل کشمیر کا جہاد ہی وہ راستہ ہے جس سے بھارت کی غلامی سے نجات ملے گی' ان شا اللہ۔

اس قومی ایجنڈے پر مکمل یکسوئی کا حصول اور اس کے مطابق پالیسی ساز اور عملی اقدام کے لیے نئی عوامی قیادت کو زمام کار سونپنا ہی مسائل کے حل کی راہ ہے۔ ہمارا بھروسا اللہ پر اور اس کی نصرت و تائید کے وعدوں پر ہے۔ اور ہم پوری قوم کو بیدار کرنا اور اپنی اصل منزل کے حصول کے لیے سرگرم عمل دیکھنا چاہتے ہیں۔ زندہ قومیں نہ دوسروں کا سہارا لیتی ہیں اور نہ ان کے طعنوں اور سازشوں سے متاثر ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کی طاقت کا راز اللہ پر ایمان اور حق پر استقامت میں ہے۔

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ○ (المائدہ ۵: ۵۵-۵۶)

تمھارے رفیق تو حقیقت میں صرف اللہ اور اللہ کا رسولؐ اور وہ اہل ایمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں' زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ کے آگے جھکنے والے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ اور اہل ایمان کو اپنا رفیق بنالے اسے معلوم ہو کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے۔

حکمت مودودیؒ

اسلام کی نشاۃ جدیدہ

ہم خالص قرآن کی بنیاد پر اسلام کی نشاۃ جدیدہ (renaissance) چاہتے ہیں۔ قرآن کی اسپرٹ اور اسلام کے اصول ہمارے نزدیک غیر متبدل ہیں۔ مگر افکار اور معلومات کی ترتیب اور عملی زندگی کے احوال پر اس روح اور ان اصولوں کا انطباق ہمیشہ احوال کے تغیر اور علم کی ترقی کے ساتھ ساتھ بدلنا ضروری ہے۔ متقدمین اسلام اس چیز کو سمجھتے تھے۔ انھوں نے اپنے زمانے میں عملاً اس کو برتا مگر متاخرین یہ سمجھے کہ اصول اور اسپرٹ کی طرح ان کا انطباق بھی غیر متبدل ہے۔ اسی چیز نے وہ جمود پیدا کیا جو ۷۰۰ برس سے ہمارے علوم اور ہمارے قوانین حیات پر طاری ہے۔ موجودہ دور میں مسلمانوں کے ایک گروہ نے اس جمود کو توڑنا چاہا مگر انھوں نے جو نشاۃ جدیدہ پیدا کرنی چاہی' وہ اسلام کی نشاۃ جدیدہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ روح قرآنی اور اصول اسلامی سے بے بہرہ ہیں۔ ان کی فکر و نظر اسلامی نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ نہ مسلمان کی حیثیت سے سوچ سکتے ہیں' نہ اسلامی طریق پر معلومات کو مرتب کر سکتے ہیں' نہ زندگی کے معاملات کو مسلمان کی نظر سے دیکھ سکتے ہیں۔

ہمارا راستہ متاخرین اور متفرنجین دونوں سے الگ ہے۔

ہمیں ایک طرف روح قرآنی کو ٹھیک ٹھیک اپنے اندر جذب کرنا اور اپنی قوت فکر و نظر کو اصول اسلامی سے پوری طرح متحد کرنا ہے۔

دوسری طرف علم کی ان ترقیات اور احوال کے ان تغیرات کا پورا پورا جائزہ لینا ہے جو گذشتہ سات آٹھ سو برس کی مدت میں ہوئی ہیں۔

اور تیسری طرف صحیح اسلامی طریق پر افکار و معلومات کو مرتب اور قوانین حیات کو مدون کرنا ہے تاکہ اسلام پھر سے بالفعل ایک dynamic force بن جائے اور دنیا میں مقتدی بننے کے بجائے مقتدیٰ اور امام بن کر رہے۔

یہ ایک herculean task ہے۔ اول تو ہم اس کو اس طرح شروع کر رہے ہیں کہ ہم سے پہلے کوئی اس کے نشانات راہ چھوڑ کر نہیں گیا ہے۔ ہمیں خود ہی اپنی منزل مقصود کو پیش نظر رکھ کر راستہ بنانا اور

اس پر چلنا ہے۔ دوسرے' یہ اتنا بڑا کام ہے کہ میری اور آپ کی اور ہم جیسے سیکڑوں آدمیوں کی پوری پوری زندگیاں بھی اس کے لیے کافی نہیں ہیں۔ اگر ہم یہ امید کریں کہ ہماری زندگی ہی میں اس کے پورے نتائج سامنے آجائیں گے' تو یہ غلط امید ہوگی۔ یہ کھجور کا درخت لگانا ہے جو اس کو بوتا ہے' وہ اس کے پھل نہیں توڑ سکتا۔ ہم اس درخت کو لگائیں گے اور اپنے خون جگر سے اس کو سینچ کر چلے جائیں گے۔ ہمارے بعد دوسری نسل آئے گی اور شاید وہ بھی اس کے پھلوں سے پوری طرح لذت آشنا نہ ہو سکے گی۔ کم از کم دو تین پشتیں اس کے پورے نتائج ظاہر ہونے کے لیے درکار ہیں۔ لہٰذا ہمیں نتائج کے لیے بے صبر نہ ہونا چاہیے۔

ہمارا کام یہ ہے کہ عمارت کا نقشہ ٹھیک ٹھیک (جیسا ٹھیک کہ ہم بنا سکتے ہیں' بنا دیں) اور اس کی بنیادیں اٹھا کر نئی آنے والی نسل کو تعمیر کا کام جاری رکھنے کے لیے تیار کر دیں۔ اس سے زیادہ غالباً ہم کچھ نہ کر سکیں گے (مکتوب بنام چودھری نیاز علی خاں' ۱۴ مارچ ۱۹۳۷ء۔ **خطوط مودودی**' دوم' ص ۶۹-۷۱)۔

قرآنی قصص کے مقاصد

حافظ محمد اسلم ○

قصص کے ساتھ انسان کا گہرا اور قدیم تعلق ہے۔ بچہ جب شعور کی دنیا میں آکر محسوسات و مرئیات میں دل چسپی لیتا ہے تو قصے کہانیاں سننے کا فطری جذبہ اس میں پیدا ہونے لگتا ہے۔ ابتداً جانوروں اور پرندوں کی کہانیاں اس کے ذوق کی تسکین بنتی ہیں۔ والدین' رشتے داروں اور دوستوں کی محفل میں رائج قصے اس کے ذہنی افق کو وسیع کرتے ہیں۔ پھر مطالعہ کتب کی شکل میں اسے قصص و تاریخ کا غیر متناہی سرچشمہ میسر آجاتا ہے جو اس کی علمی پیاس بھی بجھاتا ہے اور اخلاقی تربیت بھی کرتا ہے۔

یہ واقعات شخصیت سازی اور کردار کی تعمیر میں مخصوص کردار ادا کرتے ہیں۔ نیکوکار لوگوں کے قصے اسے نیکی کی طرف مائل کرتے ہیں' اور بدکردار لوگوں کے واقعات برائی کی ترغیب دیتے ہیں یا متنفر کرتے ہیں۔ گویا نیکی کی طرف مائل کرنے' بدی سے ہٹانے اور خیروشر میں تمیز پیدا کرنے کا یہ ایک فطری طریقہ ہے جو کسی قسم کی سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ کے بغیر محض اندرونی تحریک سے پروان چڑھتا چلا جاتا ہے۔ خیرو اصلاح کی تلقین کرنے کے اس انداز میں جانوروں کی کہانیاں بھی ملتی ہیں' عام اور جلیل القدر انسانوں کے واقعات بھی۔ مگر مذہبی کتب بالخصوص قرآن مجید میں درج واقعات خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔

قصہ کا مفہوم

قصہ کے معنی ہیں: بات' خبر' واقعہ۔ اس کی جمع اقاصیص اور قصص بکسر القاف و فتح الصاد آتی ہے (لسان العرب' بذیل مادہ ق ص)۔ دور جاہلیت میں اس مقصد کے لیے اساطیر کا لفظ بولا جاتا تھا جس کا واحد اسطورہ ہے اور اس کے معنی ہیں: افسانہ' گھڑی ہوئی بات (فیروز اللغات' بذیل مادہ س ط ر)۔ مخالفین نے قرآنی قصوں کے لیے بھی یہی لفظ اختیار کیا۔ چونکہ یہ لفظ قرآنی قصص کے لیے بالکل غیر موزوں تھا اس لیے

○ اسسٹنٹ پروفیسر' گورنمنٹ کالج' بورے والہ

قرآن نے اس مفہوم کے لیے انباء کا لفظ اپنایا۔ مثلاً تِلْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ج (ھود ۱۱: ۴۹) یہ غیب کی خبریں ہیں جن کی وحی ہم آپ کی طرف کرتے ہیں۔

انباء، نباء کی جمع ہے اور اس کا اطلاق ایسی خبر پر کیا جاتا ہے جس میں فائدہ عظیمہ ہو (روح المعانی، ۱: ۲۲۵)۔ چونکہ قرآنی اخبار عظیم فوائد پر مشتمل تھیں اس لیے قرآن نے اس لفظ کا انتخاب کیا۔

فن کتابت سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے اہل عرب کی روایات حافظے پر تھیں۔ یہ روایات نثر کے بجائے نظم میں تھیں۔ اس لیے ان کے حالات معلوم کرنے کا ذریعہ شعر تھا جیسا کہ مقولہ ہے: اَلشِّعْرُ دِيْوَانُ الْعَرَب۔ عرب شاعری کے متعلق حسن زیات کا خیال ہے کہ ان کا کلام قصص اور ڈرامائی شاعری سے خالی ہے (تاریخ ادب عربی، ۷۸)۔ مگر اس سے قصصی شاعری کی کلیتاً تردید نہیں ہوتی کیونکہ اسی کتاب میں جب ہم عرب کے مشہور شاعر امیہ بن الصلت کے حالات کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا طبعی رجحان دینی مضامین کی طرف تھا اور اس سلسلے میں اس نے کافی شہرت حاصل کی تھی۔ یہی دینی رنگ اس کی شاعری میں جھلکتا ہے۔ وہ اللہ اور اس کے جلال کا وصف بیان کرتا ہے، حشر اور اس کے بھیانک واقعات کا ذکر کرتا ہے، جنت، جہنم اور فرشتوں کے حالات بیان کرتا ہے اور تورات کے واقعات مثلاً سدوم کا خرابہ اور حضرت اسحاق و ابراہیم علیہما السلام کے قصے نظم کرتا ہے (ایضاً، ۱۴۷)۔

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: پہلی یہ کہ عربی شاعری میں قصص کا عنصر موجود تھا۔ دوسری یہ کہ قصص کے ساتھ رشد و ہدایت کا تعلق بھی تھا۔ یعنی اسے نصیحت آموزی کے لیے اختیار کیا جاتا تھا۔ اس کی تائید ابن ہشام کے اس بیان سے ہوتی ہے:

> حضور علیہ السلام کی بعثت سے قبل عرب میں تاریخ کا وجود نہ تھا۔ تاہم دور جاہلی کے کچھ واقعات صدری روایات کی شکل میں موجود تھے۔ نیز سد مارب کا واقعہ اور اس کے نتیجے میں لوگوں کے بکھر جانے کے قصے تحریری صورت کے بجائے زبانی شکل میں چلے آرہے تھے (ابن ہشام، ۱: ۴)۔

پھر اسی بحث کی تشریح جرجی زیدان سے حاصل ہوتی ہے:

> ابتداً عربوں نے قصص کا اہتمام نہیں کیا۔ بعدازاں فارسی ادب سے کلیلہ دمنہ، کتاب رستم و اسفندیار، ہندی ادب سے سندباد الکبیر والصغیر حاصل کیں۔ یہ ان کا منقولہ ادب تھا۔ اپنے ادب میں عنترہ (مشہور جاہلی شاعر) اور الف لیلۃ نے خصوصی مقام حاصل کیا (تاریخ ادب اللغۃ العربیۃ، ۲: ۲۳۳)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی تبلیغ کے سلسلے میں گذشتہ امتوں کے واقعات بطور عبرت و موعظت سنائے تو اہل مکہ نے قرآن مجید کی عمومی تعلیمات کی مانند ان قصص کی بھی تکذیب و تضحیک کی

اور کہا: مَا هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ○ (احقاف ۴۶: ۱۷) یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں۔ پھر ان قصص کی عظمت و اہمیت ختم کرنے کے لیے انھوں نے ایک حربہ یہ اختیار کیا کہ نضر بن حارث نامی ایک شیطان صفت قریشی کو آگے کیا جو حیرہ سے آیا تھا۔ وہاں اس نے ایرانی بادشاہوں کے واقعات اور رستم و اسفندیار کے قصے معلوم کیے تھے۔ جس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی مجلس میں وعظ و نصیحت کرتے، گزشتہ امتوں پر عذاب الٰہی کے واقعات سناتے، تو یہ ان کے پیچھے پہنچتا اور کہتا: "میں ان سے بہتر واقعات سنا سکتا ہوں، میری طرف آؤ" (ابن ہشام ۱: ۳۰۰)۔

اس تمام بحث سے معلوم ہوا کہ نزول قرآن کے وقت اہل عرب قصص سے آشنا تھے اور ان کی نظم و نثر میں اس کا وجود تھا، گو قلیل پیمانے پر تھا۔ بہرحال یہ قصص دنیا کی ہر قوم، ملک، مذہب اور الہامی کتب میں موجود ہیں اور مخصوص مقاصد کے حامل ہیں۔ مثلاً:

> کہانیاں اور قصے لکھنا ادب کے گراں قدر فنون میں سے ایک فن ہے۔ اس کے ذریعے فکر کو تفریحی باتوں میں مشغول کر کے، نفس کی کدورت دور کی جاتی ہے اور اسے آرام پہنچایا جاتا ہے۔ نیز پُر حکمت باتوں سے عقل کی اصلاح و تربیت کی جاتی ہے (تاریخ ادب عربی، ۵۱۴)۔

اس اعتبار سے قصے کے دو مقاصد ٹھیرتے ہیں۔ ایک، ذہنی تفریح، یعنی تھکاوٹ اور کدورت کا خاتمہ کرنا، دوسرے، پُر حکمت باتوں سے عقل کو جلا بخشنا۔ قرآنی اعتبار سے قصص کے مقاصد کی تشریح یہ ہے:

> قصص سے مراد بطور ارشاد و نصیحت، تفسیر، تاریخ و وقائع کا بیان ہے۔ اس میں علم اول کا کچھ حصہ بھی شامل ہے۔ جس سے وہ معلومات مراد لی جاتی ہیں جو پہلی امتوں کی سرگزشت اور انبیا کے واقعات نیز پہلے زمانے کے ڈراووں اور پیش گوئیوں پر مشتمل ہیں جسے اسلام قبول کرنے والے اہل کتاب بیان کریں۔ مثلاً عبداللہ بن سلام، کعب الاحبار، وہب بن منبہ وغیرہ..... وہب بن منبہ کو یہ فضیلت بھی حاصل ہے کہ انھوں نے اسلام میں سب سے پہلے انبیا کے قصے لکھے (ایضاً، ۱۷۵)۔

جہاں تک قرآن مجید کے قصص کی بحث ہے تو اس میں متعدد اقسام کے واقعات ہیں۔ پہلے، حضرت آدم علیہ السلام، ملائکہ اور ابلیس کا قصہ ہے۔ پھر ان چھ قوموں کے قصص ہیں جن پر اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ یعنی قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم لوط، قوم شعیب، قوم موسیٰ و فرعون (ھود ۱۱: ۴۲-۹۸)۔ دوسرے، حضرت ابراہیم، حضرت یوسف، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یونس، حضرت ایوب، حضرت زکریا اور حضرت عیسیٰ یعنی انبیا علیہم السلام کے قصص ہیں (انبیا ۲۱: ۵۱-۹۰)۔ تیسرے، غیر انبیا میں سے طالوت، مریم، ذوالقرنین، اصحاب کہف، اصحاب سبت، سیل عرم کے واقعات ہیں۔ چوتھے وہ قصے ہیں جو اشارتی انداز میں ہیں یعنی اصحاب قصص کے نام مذکور نہیں۔ مثلاً خضر، عزیر، سموئیل، ہابیل و قابیل وغیرہ۔

قرآنی قصص اور تاریخ نگاری میں فرق

۱- ایک مؤرخ جب واقعات کو ترتیب دینے لگتا ہے تو اس کے تمام اجزا اور حصص کو پیش کرتا ہے کیونکہ اس کے کمال فن کا تقاضا ہے کہ کوئی قابل قدر جزو چھوٹنے نہ پائے۔ مگر قرآنی قصص اس سے مختلف چیز ہیں۔ قرآن رشد و ہدایت کی کتاب ہے' تاریخ کی نہیں۔ اس لیے وہ اپنے بیان میں قصص کے صرف ایسے اجزا کا انتخاب کرتا ہے جو ہدایت کے حامل ہوں۔ یعنی عقائد کی تبلیغ' احکام و مسائل کا بیان' اخلاق حسنہ کی تلقین' انبیا کی تبلیغی مساعی' قوم کی تکذیب پر عذاب الٰہی کا نزول وغیرہ۔ جو اجزا غیر ضروری ہوں' قرآن ان سے احتراز کرتا ہے۔ جس کا نمونہ حضرت یوسف کی زبانی پیش کیا۔ آپ نے کہا: وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ (یوسف ۱۲:۱۰۰) قید سے نکالنے کے بعد میرے ساتھ عمدہ سلوک کیا۔ یعنی حضرت یوسفؑ نے قصہ کی پوری تفصیل بیان کرنے کے بجائے صرف انجام کا ذکر کر کے بات ختم کر دی۔ اگرچہ وہ تفصیل ایک مؤرخ کی نگاہ میں نہایت وقیع تھی۔

۲- قرآن اپنے اسلوب بیان میں شجرۂ نسب بیان نہیں کرتا۔ کیونکہ نسب ناموں کا ذکر اس کے عظیم مقصد سے ہم آہنگ نہیں بلکہ اس کے مقاصد کے خلاف ہے۔ البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ وجہ یہ تھی کہ آپ کی تخلیق خلاف معمول یعنی بن باپ ہوئی تھی اس لیے آپ کی ماں کی نسبت کا ذکر کیا تاکہ اللہ کی قدرت کا اظہار ہو۔

قرآن مجید نے انبیا علیہم السلام کا ذکر ان کے حقیقی ناموں سے کیا جب کہ مخالفین کا ذکر ذاتی ناموں کے بجائے وصفی ناموں سے کیا' مثلاً فرعون' وصفی نام تھا جبکہ اصل نام رعمسیس تھا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارح' جب کہ وصفی نام آزر تھا۔ صفاتی نام ذکر کرنے کا مقصد یہ تھا کہ راہ حق قبول نہ کرنے کی وجہ ان کی یہ صفات تھیں۔ فرعون مصر کے ایک دور کے حکمرانوں کا لقب تھا' وہ شریر تھے اس لیے بعد میں فرعون سرکش کے معنی میں مستعمل ہونے لگا۔ آذر کا مطلب ہے بت فروش اور یہی چیز اس کی گمراہی کا باعث رہی۔

۴- قرآن نے عورتوں کو ذاتی ناموں کے بجائے خاوندوں کی نسبت سے پکارا۔ مثلاً فرعون کی بیوی' لوط کی بیوی' البتہ حضرت مریم کا نام مستثنیٰ ہے۔ وجہ یہ کہ وہ کنواری تھیں' خاوند کی نسبت سے ذکر کرنا ممکن نہ تھا۔ اگرچہ ان کی قوم نے "اے ہارون کی بہن" کہہ کر پکارا (مریم ۱۹:۲۸) اور قرآن نے اس جملے کو نقل کیا لیکن اگر قرآن اس نام سے پکارتا تو مفہوم واضح نہ ہوتا۔ کیونکہ ہارون نام کے متعدد افراد گزر چکے تھے جس کی وجہ سے تعیین نہیں ہو سکتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے معاملے میں قرآن کس قدر حساس ہے۔

۵- قرآن اپنے بیان میں اعداد و شمار سے گریز کرتا ہے یعنی قبیلے کی تعداد یا قوم کی گنتی نہیں بتاتا۔ البتہ قوم ثمود کے ۹ افراد کا واقعہ (النمل ۲۷:۴۸) مستثنیٰ ہے۔ اسی طرح قرآن مجید زمانی مدت بھی بیان نہیں کرتا۔ تاہم تین مقامات پر یہ گنتی موجود ہے۔ یعنی نوح علیہ السلام کی عمر ۹۵۰ سال بتائی (العنکبوت ۲۹:۱۴)' تاکہ ان کی طویل تبلیغی مساعی اور صبرو استقلال سے آگاہی ہو۔ اصحاب کہف کی ۳۱۰ سالہ طویل نیند کے بعد بیداری اور حضرت عزیر کی ۱۰۰ سالہ وفات کے بعد زندہ ہونے کا ذکر کیا (البقرہ ۲:۲۵۹)' تاکہ حیات بعد الممات جیسے اہم عقیدے پر استدلال ہو۔

۶- قصص کے اہم اجزا کے علاوہ قرآن مجید' ان پیغمبروں کے قیمتی خطبات اور پُراثر دعائیں بھی نقل کرتا ہے جو قرآنی تعلیمات کا مغز ہیں۔ مثلاً سورہ ابراہیم آیت ۱۴ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں' سورہ یوسف آیت ۴۰ میں آپ کا وعظ اور پھر آیت ۱۰۱ میں آپ کی دعا۔

اس کے برعکس اگر ہم بائبل کا مطالعہ کریں' تو وسیع پیمانے پر سلسلہ ہاے نسب دیکھتے ہیں جب کہ اعداد و شمار کی اس قدر بھتات ہے کہ اس کتاب کے جز نمبر ۴ کا نام ہی گنتی رکھ دیا گیا کیونکہ اس میں اعداد و شمار ہی پیش کیے گئے ہیں۔ حیرت ہے کہ یہ کتابیں قصوں کی غیر ضروری تفصیلات سے بھری پڑی ہیں۔ مگر جو چیزیں اخلاقی قدروقیمت رکھتی ہیں اور جن سے انبیا علیہم السلام کی اصل تعلیمات' حقیقی مشن اور سیرتوں کے سبق آموز پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے' ان کتابوں کا دامن ان سے خالی ہے (تفہیم القرآن' زیر آیت سورہ یوسف ۱۲:۱۰۰)۔

اب ہم اصل موضوع کی طرف رخ کرتے ہیں یعنی قصص کے مقاصد۔

قرآن بنیادی طور پر رشد و ہدایت کی کتاب ہے جیسا کہ مختلف مقامات پر خود قرآن نے اپنا تعارف کرایا ہے۔ دنیا میں ہدایت کے بہت سے سرچشمے ہیں۔ مگر یہ بات مسلمہ ہے کہ اس کا تعلق جس قدر اعلیٰ ذات سے ہوگا' ہدایت بھی اسی قدر اعلیٰ و ارفع ہو گی۔ قرآن کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا اور نہایت محفوظ ہاتھوں سے ہوتا ہوا ہم تک پہنچا۔ پھر اس کا تعلق اگر سلیم الطبع لوگوں سے ہو تو وعظ و نصیحت کا انداز ہے اور اگر اس کا سامنا ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں سے ہو تو عبرت آموزی کا طریقہ ہے۔ چونکہ قرآن اول و آخر ہدایت ہے اس لیے قصص کا بنیادی مقصد و محور بھی یہی ہے۔ بلکہ اس ہدایت کی بعض ایسی جزئیات ہیں جو صرف قصص سے ہی سامنے آتی ہیں۔

۱- عقائد میں اولین توحید ہے۔ قصص سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیا نے اپنی دعوت و تبلیغ کا آغاز اسی پیغام سے کیا۔ پھر اپنی نبوت و رسالت کا اعلان کیا (شعراء)۔ اس طرح اسلام کے پہلے دو عقائد کا اثبات ہوگیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں نزول تورات کا صریح بیان ہے جس سے تیسرے عقیدے کا

ذکر ہو گیا۔ سورہ ہود، آیت ۷۰ میں حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کے پاس فرشتوں کی آمد کا ذکر ہے۔ نیز سورہ مریم آیت ۱۹ میں حضرت مریم کے پاس بھی انسانی شکل میں فرشتے کی آمد ہوتی ہے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ ملائکہ باقاعدہ جسمانی وجود رکھتے ہیں، اپنی شکلیں تبدیل کر سکتے ہیں (روح المعانی، ذیل آیت سورہ مریم ۱۹)۔ وہ محض پیغام رسانی کی کسی کیفیت و حالت کا نام نہیں۔ نیز عذاب اور دیگر مختلف فرائض سرانجام دیتے ہیں (ھود ۱۱:۸۱)۔ سورہ مومن آیت ۴۶ سے فرعون کے عذاب قبر اور سورہ نوح سے بھی عالم برزخ میں آگ کے عذاب کا ذکر ہے۔ سورہ یونس آیت ۹۱ سے پتا چلتا ہے کہ آخر وقت میں ایمان لانا غیر معتبر ہے (ایضاً، ذیل سورہ یونس ۹۱)۔

۲- اسلام کی ایک اہم تعلیم نسلی تفوق کا خاتمہ ہے۔ یہود دعوے دار تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں۔ قرآن نے سبت کی بے حرمتی کرنے پر بندروں کی شکل میں مسخ ہونے کا قصہ بیان کر کے ان کی نسلی برتری کا زعم پاش پاش کر دیا کہ کوئی قوم اللہ کی لاڈلی نہیں۔ اللہ کے ہاں نجات کا مدار صرف اعمال ہیں۔ اسی طرح پسر نوح کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا انصاف کس قدر بے لاگ ہے۔ مشرکین مکہ سمجھتے تھے کہ ہم خواہ کیسے ہی اعمال کریں مگر ہم پر خدا کا عذاب نازل نہیں ہوگا کیونکہ ہم ابراہیم کی اولاد ہیں اور فلاں دیوتاؤں کے متوسل ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے بھی کچھ ایسے گمان تھے اور بہت سے مسلمان بھی اسی قسم کے تکیے کیے ہوتے ہیں کہ ان کی سفارش ہم کو خدا کے انصاف سے بچالے گی۔ لیکن یہاں یہ منظر ہے کہ جلیل القدر پیغمبر کی معافی کی درخواست ہے لیکن دربار خداوندی سے سرزنش کی جاتی ہے۔ باپ کی پیغمبری، بدعمل بیٹے کو نہیں بچا سکتی (تفہیم القرآن، ذیل سورہ ہود ۴۶)۔

تخت بلقیس لانے کے واقعے سے علم کی برتری واضح ہوتی ہے کہ صاحب علم نے پلک جھپکنے میں تخت لاکر حاضر کر دیا جبکہ طاقت ور جن کو اس کام کے لیے زیادہ وقت درکار تھا۔

قصص کے ذریعے فقہی رہنمائی بھی ہوتی ہے، کیونکہ قرآن اپنے قصص و اخبار کو آیات بھی قرار دیتا ہے۔ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ○ (یوسف ۱۲:۷)۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے بقول یہ واقعہ ایسے امور پر مشتمل ہے جن میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی بڑی نشانیاں اور تحقیق کرنے والوں کے لیے بڑی بڑی ہدایتیں اور احکام و مسائل ہیں (معارف القرآن، ذیل آیت بالا)۔ آیات کا مطلب احکام و مسائل لینا اس لیے بھی صحیح ہے کہ خود قرآن نے بھی اس لفظ کو احکام کے معنی میں استعمال کیا ہے، مثلاً: لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ ...... كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ (المائدہ ۵:۸۹)۔ اس جگہ آیات سے مراد احکام و مسائل ہی ہیں جن کا تعلق قسم کے ساتھ ہے۔

اسی طرح ابوبکر جصاص، بسم اللہ کی تشریح میں لکھتے ہیں: وھو اذا کان خبرًا فانه یتضمن معنی الامر

..... لان اللّٰہ اخبرنا بہ لنفعل مثلہ (احکام القرآن للجصاص' ذیل بسم اللہ)۔ یہ اگرچہ خبر ہے مگر حکم کے مفہوم کو شامل ہے..... اس لیے کہ اللہ نے اس کی خبر اسی لیے ہم کو دی ہے تاکہ ہم بھی اس کی مثل کام کریں۔ معلوم ہوا کہ قرآنی اخبار کو مسائل کی بنیاد بنایا جا سکتا ہے۔

بہرحال قصص آیات سے احکام کا استنباط کرنا اصول فقہ کا موضوع ہے۔ پھر سابقہ شرائع کی حجت ایک متنازعہ بحث ہے۔ تاہم ترجیح اسی موقف کو حاصل ہے کہ سابقہ شرائع کے وہ احکام جو قرآن مجید میں مذکور ہیں' یا قرآنی واقعات سے اخذ ہوتے ہیں' وہ حجت ہیں' بشرطیکہ منسوخ نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ فقہی طرز کی تفاسیر نے بکثرت ایسے مسائل استنباط کیے ہیں۔ مثلاً احکام القرآن للجصاص اور الجامع لاحکام القرآن للقرطبی وغیرہ۔ جب کہ غیر فقہی تفاسیر نے بھی متعدد قصوں سے فقہی مسائل اخذ کیے ہیں مثلاً تفسیر کبیر ایک کلامی طرز کی تفسیر ہے۔ اس کے مؤلف امام رازی قصہ طالوت سے استنباط کرتے ہیں کہ یہ آیت ان لوگوں کے عقیدے کی تردید کرتی ہے۔ جو کہتے ہیں کہ امامت موروثی چیز ہے (تفسیر کبیر' البقرہ ۲:۲۴۷)۔ اسی طرح روح المعانی بھی غیر فقہی تفسیر ہے مگر طالوت و جالوت کے اسی قصے میں لکھتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ پچھلی امتوں میں قتال کا حکم تھا' تمھارے لیے کوئی نیا حکم نہیں (روح المعانی' البقرہ ۲:۲۵۱)۔

قصص سے فقہی رہنمائی حاصل کرنا اس لیے بھی ضروری ہے کہ "آیات احکام کی تعداد ۵۰۰ ہے اور آیات قصص کی تعداد ۱۰۰۰ ہے (سواطع القرآن ۲۷۴)۔ پھر جس طرح احکامی آیات میں عبارۃ النص سے مسائل حاصل کرنے کے علاوہ اشارۃ النص اور دلالۃ النص سے بھی بہت سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں اسی طرح آیات قصص سے بھی متفرق قسم کے مسائل اشارۃ النص اور دلالۃ النص کی طرز پر حاصل ہو سکتے ہیں اور اس سے قرآنی فقہ کا دامن وسیع ہو سکتا ہے۔

منکرین کی عبرت آموزی کے لیے قرآن مجید نے مختلف قوموں کی تباہی کا قصہ مختلف سورتوں میں دہرایا اور پھر کہا: کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے (القمر ۵۴:۵۱)۔ اس انداز کو اختیار کرنے کی وجہ یہ تھی کہ بہت سے لوگ تاریخی ذہن اور قصصی مزاج کے حامل ہوتے ہیں۔ وہ تعلیمات کے بجائے واقعات سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی تفہیم کے لیے قرآن نے سابقہ انبیاے کرام اور گذشتہ امتوں کے واقعات سنائے تاکہ منکرین کے خوفناک انجام سے آگاہ کر کے ان کے فکر و شعور کو جھنجھوڑا جائے کہ ذرا غور کرو کہ جن قوموں نے اپنے انبیا کی تعلیمات کو جھٹلایا وہ کس طرح تباہ و برباد ہوئیں۔ قصص سے عبرت و موعظت کا یہ قرآنی انداز' استقرائی نوعیت کا تھا اور حسی بھی۔ کیونکہ اہل مکہ کے تجارتی قافلے یمن اور شام کی طرف جاتے ہوئے عذاب زدہ قوموں کے کھنڈرات سے گزرتے تھے۔ یہ ان کی مرئی عبرت کا ساماں تھا جیسا کہ ارشاد ہے: وَاِنَّکُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَیْھِمْ مُّصْبِحِیْنَ ○ وَبِالَّیْلِ ؕ (الصّٰفّٰت ۳۷:۱۳۷-۱۳۸) بے شک تم

ان پر صبح و شام گزرتے ہو۔

قصص کو بطور نصیحت پیش کرنا کوئی نئی چیز نہیں۔ اخلاقی کہانیاں، جانوروں اور پرندوں کے قصے آج بھی ہماری کتابوں کی زینت اور تعلیمی نصاب کا حصہ ہیں۔ مگر قرآن کا امتیاز یہ ہے کہ وہ فرضی اور خیالی کہانیوں کے بجائے حقیقی واقعات پیش کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ انسانوں کی رہنمائی کے لیے اعلیٰ انسانوں یعنی انبیا و صلحا کے واقعات گوش گزار کرتا ہے۔ بعض جگہ پرندوں کے قصوں سے بھی رہنمائی کی گئی ہے۔ آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو اس نے لاش دفن کرنے کا طریقہ ایک کوے سے سیکھا۔ (روح المعانی، المائدہ ۵:۳۱)۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں "ھدھد" کی پیغام رسانی کا تذکرہ اور وادی نمل میں چیونٹی کی تقریر کا تذکرہ نہایت عبرت آموز ہیں (النمل ۱۸:۲۱-۲۱)۔

قرآنی عبرت آموزی کا ایک رخ یہ ہے کہ اس کے قصص اپنی جزئیات و خصوصیات کے اعتبار سے مثالی مقام رکھتے ہیں مثلاً غرور و تکبر میں ابلیس کا گھناؤنا کردار ہے کہ خدا کے سامنے اکڑ گیا۔ تبلیغ کے طویل دورانیہ میں حضرت نوح علیہ السلام کی عظیم ذات ہے جنھوں نے ۹۵۰ سال عمر پائی۔ قد کاٹھ اور جسمانی قوت میں قوم عاد کی مثال ہے جن کی مثل پھر پیدا ہی نہیں کیے گئے (الفجر۸:۸۹)۔ ظلم و ستم میں فرعون کا بہیمانہ کردار ہے کہ بنواسرائیل کی مکمل نسل کشی کا منصوبہ شروع کیا ہوا تھا (البقرہ ۲: ۴۹)۔ نشہ توحید سے سرشاری میں حضرت ابراہیمؑ روشنی کا مینار ہیں جنھوں نے بت کدہ میں داخل ہو کر تمام بتوں کو پاش پاش کر دیا۔ وسعت سلطنت میں ذوالقرنین کا قصہ ہے جس کی سلطنت تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی۔ شدت عذاب میں قوم لوط کا واقعہ ہے جن کا مسکن (یعنی بحیرہ مردار) آج بھی زندہ عبرت بنا ہوا ہے۔ کثرت دولت میں قارون ضرب المثل ہے۔ یہ ہیں وہ قرآنی قصے، جو عبرت آموزی کا ایک جامع سلسلہ ہیں۔

اسی عبرت کا ایک منظر یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے مخالفین، یعنی اہل مکہ خود ان قصوں کی نظیر بن گئے۔ جنگ بدر میں کفار مکہ کے تمام سردار مارے گئے۔ اس طرح فرعون اور اس کے لشکر کی تباہی کا قصہ ان پر منطبق ہو گیا۔ فتح مکہ کے موقع پر برادران یوسف کی تاریخ دہرائی گئی جب حضور علیہ السلام فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے اور اپنے نسلی بھائیوں کو یہ کہہ کر معاف کر دیا: جاؤ تم آزاد ہو۔ آج تم پر کوئی الزام نہیں (تفہیم القرآن، مقدمہ سورہ یوسف)۔

دلیل نبوت

قدیم زمانے سے یہ معمول چلا آ رہا ہے کہ جب بھی کوئی شخص اپنی کسی خصوصی حیثیت یا منصب کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے ثبوت کے لیے کسی نشان، سند، حکم نامہ، تمغہ وغیرہ کو پیش کرتا ہے، ورنہ اس کا قول غیر معتبر سمجھا جاتا ہے۔ انبیا کرام کی عمومی تاریخ سے بھی یہی صورت حال سامنے آتی ہے کہ جب بھی

انھوں نے نبوت کا دعویٰ کیا' ان کی قوم نے کسی نشان کا مطالبہ کیا مثلاً حضرت ھود علیہ السلام کی قوم نے کہا "اے ھود' تم کوئی دلیل نہیں لائے۔ تمہارے کہنے پر ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑیں گے" (ھود ۱۱:۵۳)۔ اسی طرح فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی تو جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نشانات دکھلائے (الاعراف ۷:۱۰۶)۔

حضورؐ نے جب اپنی نبوت کا دعویٰ کیا تو اس وقت ہر طرف آپؐ کی صداقت و امانت کا شہرہ تھا' اور یہی آپؐ کی نبوت کی واضح دلیل تھی کہ جو شخص اپنی عمومی زندگی میں جھوٹ نہیں بولتا' وہ اللہ تعالیٰ کے معاملے میں جھوٹ کا ارتکاب کس طرح کر سکتا ہے۔ تاہم خدا تعالیٰ نے صحیح واقعات کے بیان کو آپؐ کی نبوت کی دلیل ٹھیرایا۔ یہ آپؐ کے لیے معجزات بھی تھے' آپؐ کی شان اور وقار بھی (تفسیر کبیر' زیر آیت سورہ طٰہٰ ۲۰:۹۹)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین آپؐ کی نبوت کی صداقت کے لیے آپؐ سے من مانے مطالبات کرتے۔ بالخصوص ان کا مطالبہ حسی معجزات کے متعلق ہوتا۔ مثلاً زمین سے چشمہ نکالو' کھجور اور انگوروں کے باغات ہوں جن میں نہریں چلتی ہوں' فرشتوں کی فوج آئے' غیبی خزائن' آسمان پر چڑھنا وغیرہ (بنی اسرائیل ۱۷:۹۲) مگر قرآن نے اس قسم کے مطالبات کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ البتہ جب انھوں نے مختلف تاریخی شخصیتوں کے بارے میں سوالات کیے تو قرآن نے ان کی تفصیلات بیان کیں۔ سورہ یوسف کا شان نزول بھی اسی قبیل سے ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اس کے مقاصد نزول میں لکھتے ہیں "ایک یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت اور وہ بھی مخالفین کا اپنا منہ مانگا ثبوت بہم پہنچایا جائے' اور ان کے تجویز کردہ امتحان میں یہ ثابت کیا جائے کہ آپؐ سنی سنائی باتیں بیان نہیں کرتے بلکہ فی الواقع آپؐ کو وحی کے ذریعے علم حاصل ہوتا ہے" (تفہیم القرآن' مقدمہ سورہ یوسف)۔

اس مفہوم کی مزید تائید طالوت اور جالوت کے قصے سے ہوتی ہے کہ اختتام واقعہ پر ارشاد باری ہے:
تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ط وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ○ (البقرہ ۲: ۲۵۲) یہ اللہ کی آیات ہیں جنھیں سچائی کے ساتھ ہم بیان کرتے ہیں۔ بے شک آپؐ رسولوں میں سے ہیں۔ یعنی سابقہ نبیوں اور امتوں کے واقعات کو صحت کے دعوے کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ اس میں چیلنج کا انداز ہے۔ پھر یہ چیلنج اگر ایک ناخواندہ اور امی شخص کی طرف سے دیا جا رہا ہے تو یقین کرنا چاہیے کہ اس کے علم کا ذریعہ صرف وحی ہے اور وحی کی آمد نبوت کی دلیل ہے۔

اسلام سے قبل عربوں میں کاہنوں اور عراف کا خصوصی مقام تھا کیونکہ یہ غیب کی خبریں دیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کا رابطہ شیاطین کے ساتھ ہوتا جو آسمان سے غیب کی خبریں چرا کر کاہنوں کو پہنچاتے۔ پھر یہ

کاہن ان خبروں میں جھوٹ ملا کر آگے بیان کرتے (روح المعانی، زیر آیت سورہ الفجر ۸۹:۱۸)۔

حضورؐ کے خطبات میں بھی غیب کی اخبار ہوتیں۔ اس معمولی سی مشابہت کی وجہ سے اہل مکہ نے حضورؐ کو کاہن قرار دیا۔ مگر قرآن مجید نے اس کی پرزور تردید کی۔ تردید کی وجہ یہ تھی کہ نبوت کا مقام کہانت سے بہت بلند ہوتا ہے۔ نبوت میں نہ جھوٹ ہوتا ہے اور نہ شیاطین سے رابطہ۔ کیونکہ پیغمبر کا رابطہ خدا کے ساتھ ہوتا ہے، اس کی ہربات سچائی پر مبنی ہوتی ہے اور یہ صداقت ہی نبوت کی دلیل ہے۔

صبر و استقلال کی تلقین

نبوت و رسالت اس کائنات کا سب سے جلیل القدر منصب ہے۔ عہدہ جس قدر بڑا ہوتا ہے، ذمہ داریاں اور مشکلات بھی اتنی ہی شدید ہوتی ہیں۔ قوم کی اصلاح و تعمیر ایسا کٹھن مشن ہے کہ جس کی خاطر نبی اپنی تمام عمر صرف کر دیتا ہے اور تمام صلاحیتیں وقف کرتا ہے۔ مگر نتائج مایوس کن بھی نکلتے ہیں۔ قوم کی طرف سے انکار و تکذیب، پھر ضد اور ہٹ دھرمی کا رویہ، اس پیکر استقلال کے لیے بھی حوصلہ شکن ہوتا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: حَتّٰی اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ (یوسف ۱۲:۱۱۰) حتیٰ کہ رسول مایوس ہو گئے۔ یہ کسی ایک پیغمبر کا قصہ نہیں بلکہ انبیا کی مجموعی تاریخ اسی حقیقت کی نشان دہی کرتی ہے۔

مکہ کی گلی کوچوں میں جب حضورؐ کے لیے یہی حوصلہ شکن مناظر پیش آئے تو آپؐ کی ہمت افزائی کے لیے اولوالعزم انبیا کی سیرتیں، قصص کی شکل میں دہرائی گئیں۔ ان کی امتوں کے واقعات بمقتضائے حال پیش کیے گئے جو آپؐ کی پریشانی کا مداوا اور آپؐ کے صبر و استقلال کے لیے سہارا تھے۔ فَاصْبِرْ کَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ (الاحقاف ۴۶:۳۵) آپؐ صبر کریں جیسا کہ اولوالعزم رسولوں نے صبر کیا۔

حضور علیہ السلام کے لیے پریشانی کی کئی نوعیتیں تھیں۔ آپؐ کی تبلیغ کے جواب میں اہل مکہ کا انکار، ضد اور پھر ظلم و ستم کا غیر متناہی سلسلہ تھا۔ اس موقع پر نوح علیہ السلام کا قصہ سنایا گیا جن کا عرصہ تبلیغ کئی صدیوں پر مشتمل تھا جب کہ آپؐ کی تبلیغ کا دورانیہ تو چند سالوں پر محیط تھا۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ دہرایا گیا جس میں موسیٰ علیہ السلام، غلام قوم کے فرد تھے، جو فرعون اور اس کی قوم سے بری طرح دبی ہوئی تھی۔ بخلاف اس کے حضور علیہ السلام، قریش کے فرد تھے جو دوسرے خاندانوں کے ساتھ برابری کی پوزیشن رکھتا تھا..... فرعون کی سلطنت بھی سب سے بڑی تھی (تفہیم القرآن، الشعرا ۲۶:۱۵)۔ ایذا رسانی میں فرعون کا کردار اہل مکہ کی نسبت کہیں بدتر تھا۔ کیونکہ وہ کئی سالوں سے بنی اسرائیل کے لڑکوں کا قتل کر رہا تھا۔ اس اعتبار سے مکی مسلمانوں کی پوزیشن بہتر تھی کیونکہ اہل مکہ اپنے ظلم و ستم میں اس حد تک نہیں پہنچے تھے۔

صبر و استقلال کا ایک مرحلہ وہ ہوتا ہے جب تیر ستم اپنوں کی طرف سے چلیں کیونکہ ان کے زخم زیادہ

گھرے ہوتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا چچا ابولہب اس کردار کا نمایندہ تھا۔ برادران یوسفؑ کا قصہ ان زخموں کی مرہم تھا۔ انھوں نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو راہ کا پتھر سمجھ کر ہٹانے کی کوشش کی تھی۔

مصائب کا نزول قدرت کی طرف سے ہوتا ہے جن کے ذریعے خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی آزمایش کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام پر یہ حوادث بچپن سے گزر رہے تھے۔ پہلے باپ' ماں اور دادا بچپن ہی میں چل بسے۔ غم گسار اور ہمدرد چچا اور پھر مونس و غم خوار بیوی بھی داغ مفارقت دے گئی۔ نرینہ اولاد بھی فوت ہوگئی۔ کفار مکہ نے بغلیں بجائیں اور حضورؐ کو ابتر کے نام سے پکارا۔ ان حوادث کے لیے حضرت ایوب علیہ السلام کا نمونہ ہے جن کا سارا مال و اسباب تباہ ہوگیا' اہل و عیال رخصت ہوگئے۔ بیماری نے جسم چھلنی کر دیا مگر ایوب علیہ السلام ان جسمانی اور مالی مصائب پر تسلیم و رضا کا مجسمہ بنے رہے۔ اللہ کی طرف سے مدحت کا سرٹیفکیٹ ملا۔ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ط (ص ۳۸: ۴۴) ہم نے اسے صبر کرنے والا پایا۔

صبر و استقلال کی ایک نوعیت وہ ہوتی ہے جب نبی اور اس کی قوم کی کش مکش نقطہ عروج کو پہنچتی ہے۔ دونوں فریق میدان جنگ میں صف آرا ہوتے ہیں۔ اس مرحلے کے لیے طالوت و جالوت کا قصہ رہنمائی کرتا ہے کہ طالوت کی چھوٹی سی فوج نے صبر و استقلال کے بل بوتے پر جالوت کی فوج کو شکست دے دی کیونکہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

بہرحال یہ مصائب قدرتی ہوں یا انسانی' اپنی ذات پر ہوں یا پیروکاروں پر' جسمانی ہوں یا مالی' تمام احوال و کیفیات کے لیے قرآن میں قصص موجود ہیں۔ جن میں ہر قسم کے آلام و مصائب کے لیے تسکین اور پریشانیوں کا مداوا موجود ہے۔

صفات الٰہی کی تشریح

ظاہر بیں اور مادہ پرست انسان' اس جہاں میں رونما ہونے والے ہر واقعے کو ظاہری اسباب و علل کے تحت دیکھتا ہے اور اس کی مختلف توجیہات پیش کرتا ہے۔ اگر وہ واقعہ کسی طرح بھی اس کی فکری دسترس میں نہ آئے' تو پھر بھی خدائی قدرت تسلیم کرنے اور اس پر ایمان لانے کے بجائے اس حادثہ کو محض بخت و اتفاق کا کرشمہ قرار دے کر بزعم خود سرخرو ہو جاتا ہے۔

دوسری طرف خدا کو ماننے والے انسان کی یہ فطری خامی تھی کہ وہ محسوسات کا خوگر تھا۔ اس لیے کائنات کی کسی بھی عظیم' مادی چیز کو خدا کا مظہر ٹھیرا دیتا اور پھر اپنی عبودیت کا رشتہ اس سے استوار کرلیتا۔ اسلام نے جو الوہیت کا تصور دیا' وہ ذات کے اعتبار سے تو انتہائی تنزیہہ پر مبنی ہونے کی وجہ سے انسان کی فکری رسائی سے باہر تھا مگر صفاتی حیثیت سے اس کی فہم سے بہت قریب تھا۔ اس لیے ذات باری سے ناطہ جوڑنے کے لیے حکم دیا کہ کائنات کو اس کی تجلیات کا مظہر سمجھو۔ اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ۔ اور اس کی

صفات کی معرفت حاصل کرو۔

قرآنی قصص بھی مذہب کی اسی عمومی تعلیم کی تشریح کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاللّٰہُ یَقۡبِضُ وَیَبۡصُۜطُ وَاِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ ○ (البقرہ ۲: ۲۴۵) اللہ سکیڑتا ہے اور پھیلاتا ہے، اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔ اس آیت میں خدا کی دو صفات بتلائی گئیں۔ ایک قبض اور دوسری بسط۔ پھر ان کی تشریح کے لیے قرآن نے طالوت و جالوت کا قصہ سنایا۔ جس میں طالوت کی مختصر سی فوج نے جالوت جیسے جابر و قاہر حکمران کو شکست دے دی۔ اس واقعے میں خدا کی دونوں صفات کی تشریح ہوگئی کہ طالوت کے لیے سلطنت کا بسط ہوا اور جالوت کے لیے قبض ہوا۔ اس طرح قرآنی قصص خدا کی صفات کی تشریح اور اس کی قدرت کا مظہر ہیں (تفسیر عثمانی، ذیل آیت بالا)۔

عقیدت و تعصب کے زیراثر، یا لاشعوری طور پر، یا غلط فہمی کی بنا پر جلیل القدر ہستیوں کی طرف ایسے واقعات منسوب کر دیے جاتے ہیں جن کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ کبھی ایسی مبالغہ آرائی کر دی جاتی ہے کہ اصل حقیقت مسخ ہو جاتی ہے۔ مثلاً حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ٹھیرا دیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا بنالیا۔ اس مبالغہ کا دوسرا رخ یہ ہے کہ بنی اسرائیل جن لوگوں کو خدا کا پیغمبر مانتے تھے ان میں سے کسی کی سیرت کو بھی داغ دار کیے بغیر نہیں چھوڑا، اور داغ بھی ایسے سخت لگائے جو اخلاق و شریعت کی نگاہ میں بدترین جرائم شمار ہوتے ہیں۔ مثلاً شرک، جادوگری، زنا، جھوٹ، دغابازی۔ بنی اسرائیل کی اخلاقی تاریخ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قوم جب اخلاقی و مذہبی انحطاط کا شکار ہوئی تو وہ تمام جرائم جو خود کرتے تھے انبیا کی طرف منسوب کر دیے (تفہیم القرآن، سورہ اعراف، زیر آیت ۱۵۰)۔ قرآن نے واقعات بیان کرتے وقت اس قسم کی تمام خرافات سے اجتناب کیا اور نہایت تعمیری انداز میں ان کی اصل شخصیت کو نمایاں کیا، جس سے حقیقت مکمل طور پر عیاں ہوئی۔

عظمت

انسان اس کائنات میں تمام مخلوق سے برتر اور مکرم و محترم بن کر آیا تھا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ، ہم نے بنو آدم کو عزت بخشی۔ علما کا ایک گروہ اس آیت کی وجہ سے فرشتوں پر انسانی فضیلت کا قائل ہے (تفسیر ابن کثیر، زیر آیت بنی اسرائیل ۷۰)۔ انسانی عظمت کے متعلق دوسری آیت ہے: خَلَقَ لَکُمۡ مَّا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ق (البقرہ ۲: ۲۹) یعنی سب کچھ تیرے لیے ہے اور تو خدا کے لیے۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اپنے اس حقیقی مقام و منصب کو فراموش کر بیٹھا۔ اس کی گراوٹ کی یہ انتہا تھی، کہ شجر و حجر کو معبود بنا کر اس کے آستانے پر جبیں فرسائی شروع کر دی۔ قرآن نے اپنے قصص کے ذریعے اس سرگرداں مسافر کو اصل سمت سے روشناس کرایا اور پھر اس نظریے کی مکمل تشریح قصہ آدم،

ملائکہ اور ابلیس سے کی۔ یہ قصہ آدم کی تکریم و تفضیل سے لبریز ہے کیونکہ اس میں پہلے تو آدمؑ کو خلافت سے سرفراز کیا' پھر علم کی دولت سے نوازا' پھراسے مسجود ملائکہ بنا کر اس کی عظمت کو سہ چند کیا۔

اس عظمت کے مزید حسی مظاہرے حضرت سلیمان علیہ السلام کی ذات کے حوالے سے دیکھیے جن کے لیے ہوا مسخر کر دی گئی' جنوں کو مطیع کیا گیا (سبا ۳۴: ۱۲)۔ جانوروں کی بولی اور ان پر حکومت عطا کی گئی (النمل ۲۷: ۱۷)۔ پھر انسانی عظمت کا کھلا مظاہرہ اس وقت ہوا جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کا تخت حاضر کرنے کی فرمائش کی تو طاقت ور جن نے یہ تخت چند گھنٹوں میں لانے کی پیش کش کی مگر صاحب علم شخص نے اپنے علم کی بدولت اسے ایک سیکنڈ میں لا کر حاضر کر دیا (النمل ۲۷: ۴۰)۔ یہ واقعہ انسان اور اس کی علمی فضیلت کا شاہکار ہے۔

اکتاہٹ کا ازالہ

سورہ یوسف کے شان نزول کے متعلق عمومی روایات یہی ہیں کہ اہل مکہ نے اپنے طور پر یا یہود کے اشارے پر حضور علیہ السلام سے اس کی تفصیل دریافت کی جس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ آپؐ کی آزمایش کریں (تفسیر ابن کثیر' سورہ یوسف آیت ۱)۔ مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے شان نزول کا مقصد اکتاہٹ کا ازالہ تھا۔ یعنی جب صحابہ کرامؓ کفار کی مسلسل تعذیب سے پریشان تھے تو اس موقع پر ابن جریر کے بیان کے مطابق انھوں نے حضور علیہ السلام سے اپنی اکتاہٹ کا ذکر کیا اور قصص قسم کی کوئی بات سنانے کی درخواست کی' تو ان کی تفریح طبع کے لیے یہ سورۃ نازل ہوئی (تفسیر ابن جریر ۱۲: ۱۵۰)۔ علامہ آلوسی نے بھی اسی قسم کی ایک روایت سیوطی کے حوالے سے نقل کی مگر اس پر اعتراض بھی کیا (روح المعانی' ذیل سورہ یوسف آیت ۱) کہ یہ بات قرآنی عظمت کے شایان شان نہیں کہ اس میں مذکور کسی سورت یا آیت کا شان نزول' تفریح طبع ہو۔

حضرت یوسف کے قصے میں دیگر قصوں کے برعکس اتار چڑھاؤ بہت زیادہ ہے کہ موت کے دروازے پر دستک دینے والا بچہ آگے چل کر حکمران بن جاتا ہے۔ نیز اس قصہ میں عمومی زندگی کی وہ تمام جزئیات موجود ہیں جو قصے کو پرکشش بناتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی حقیقی قصہ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ریڈیو' ٹی وی کی موجودہ زندگی سے قبل یہ قصہ وسیع پیمانے پر پڑھا اور سنا گیا' مختلف لوگوں نے اسے منظوم کیا اور مقامی ثقافت کا حصہ بنا رہا۔

مشمولات قصص

عمومی تعلیمات کی طرح قرآنی قصص بھی مختلف قسم کی تعلیمات اور اصول پیش کرتے ہیں۔ یعنی قرآن مجید نے انبیا علیہم السلام کی تبلیغی مساعی اور مخالفین کی تباہی و بربادی کے واقعات پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ

مادی زندگی کے دیگر اصول و ضوابط بھی پیش کیے۔ اگر قرآن مجید اپنے قصص میں صرف روحانی اجزا ہی پیش کرتا تو اس سے ترک دنیا کی تلقین اور رہبانیت کی تائید ہوتی' اور اس طرح قرآن مجید میں تعارض لازم آتا کہ اپنی عمومی تعلیمات میں تو دین و دنیا کی یکجائی کا قائل ہے مگر قصص میں دنیوی امور کو نظرانداز کر کے اس سے گریز کی ترغیب دی جا رہی ہے۔

اگر ہم غور کریں تو قصص سے متعدد قسم کی دنیوی تعلیمات و اصول مستنبط ہوتے ہیں:

۱- عمرانیات: کسی قوم اور معاشرے کی پہلی ضرورت امن و امان کا قیام اور لوٹ مار کا خاتمہ ہے۔ اس مقصد کے لیے ذوالقرنین کا قصہ رہنما ہے کہ یاجوج و ماجوج کے فساد سے بچانے کے لیے دیوار تعمیر کی۔

۲- حصول رزق: بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانی اور رزق کی فراہمی کا مطالبہ کیا۔ پھر آپ کی دعا کی بدولت خدا تعالیٰ نے بنیادی ضروریات کی یہ چیزیں انھیں وادی تیہ میں عطا کیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے قحط سے بچاؤ کے لیے موثر اور ٹھوس تدابیر اختیار کیں جس سے فراہمی رزق کی اہمیت کے ساتھ' اعلیٰ حکمران کے اوصاف بھی واضح ہوئے۔ اس سے قبل ان دونوں ضرورتوں کی اہمیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں بھی نظر آتی ہے۔ جب آپ خدا کے حضور التجا کرتے ہیں: رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ (البقرہ ۲: ۱۲۶) اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا اور اس کے مکینوں کو پھل عطا فرما۔

۳- موجودہ دور میں خواتین کی معاشرتی حیثیت اور ان کے حقوق کا بہت چرچا ہے۔ قرآن مجید نے اپنے قصص میں مختلف مقامات پر خواتین کا ذکر خصوصی طور پر کیا۔ عورت کے متعلق دنیا میں رائج غلط نظریات کا خاتمہ کیا۔ مثلاً حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے قصے میں بتلایا کہ شجر ممنوعہ کھانے کا الزام صرف حوا پر نہیں بلکہ اس بھول چوک میں دونوں یکساں طور پر شامل ہیں جب کہ تورات اس معاملے میں حضرت حوا کو بنیادی طور پر قصوروار ٹھیراتی ہے۔

۴- حضرت مریم علیہا السلام کے قصے میں ان کی پاک دامنی و عفت کا بیان ہے تاکہ مخالفین کے بہتان کی تردید ہو۔ پھر ان کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام کی آمد سے آپ کی عظمت شان ظاہر ہوتی ہے' کہ پیغمبروں کی طرف آنے والا فرشتہ ایک خاتون یعنی حضرت مریم کی طرف بھی آیا ہے۔

فرعون نہایت ظالم و جابر حکمران تھا۔ قرآن نے متعدد مقامات پر اس کی سرکشی کا ذکر کیا۔ جب کہ اس کی بیوی ایک صالحہ عورت تھی۔ قرآن نے خصوصیت سے اس کا ذکر کیا کیونکہ کفر کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں اس کے ایمان کی شمع روشن تھی۔ حضرت ابراہیم کی بیوی اور حضرت موسیٰ کی والدہ کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے جو کہ ان کے لیے اعزاز ہے۔ خطاکار عورتوں میں سے اس عورت کا ذکر بلا نام ہے جس نے

حضرت یوسف علیہ السلام کو ورغلانے کی کوشش کی۔ سورہ تحریم میں حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی کافرہ بیویوں کا ذکر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان کے اپنے گھر سے اٹھنے والی ہدایت کی کرنیں' اگر اس جہاں میں ان کے قلوب کو روشن نہ کر سکیں تو دنیا میں اور روز قیامت' پیغمبر کا رشتہ ان کے کچھ کام نہ آئے گا (تفہیم القرآن' سورہ تحریم کا مقدمہ)۔

۵- سورہ یوسف میں چار خوابوں کا بیان ہے۔ یہ چاروں خواب سچ ثابت ہوئے۔ ایک خواب حضرت یوسف کا تھا اور تین خواب مصریوں کے تھے۔ ان سے معلوم ہوا کہ کافر کا خواب بھی سچا ہو سکتا ہے اور وہ بھی مستقبل کی خبریں معلوم کر سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس انسانی شکل میں فرشتے آئے' آپ ان کے لیے بھونا ہوا بچھڑا لائے۔ اس سے مہمان نوازی کے آداب واضح ہوتے ہیں۔

۶- جو لوگ بے کس اور مجبور ہوں۔ وہ اصحاب کہف کی طرح اپنی ایمانی دولت کے تحفظ کے لیے کوہساروں میں خلوت نشینی کر لیں اور جو لوگ اقتدار کی نعمت سے بہرہ مند ہوں' وہ اپنے بھائیوں کی غلطیوں سے درگزر کرتے ہوئے انھیں معاف کر دیں۔

یہ چند مشمولات بطور نمونہ پیش کیے گئے ہیں تاکہ معلوم ہو سکے کہ قرآنی قصص عظیم المرتبت شخصیتوں کے عظیم القدر کارنامے ہیں۔ گو' ان واقعات پر صدیاں بلکہ ہزاریاں بیت چکی ہیں مگر آج بھی وہ نوع انسانی کے لیے سرمایہ حیات اور زندگی کی پُر پیچ راہوں میں روشن چراغ ہیں۔

"چندا خوانی ادیب" از ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی کی تیسری اور آخری قسط آیندہ کسی شمارے میں شائع کی جائے گی۔ (ادارہ)

کیا اللہ نے پکڑ کرنا بند کر دیا ہے؟
کیا لوگوں نے گناہ کرنا بند کر دیا ہے؟

لوگ بھی خوب ہیں----
گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں' مغفرت طلبی کی زحمت بھی نہیں کرتے
----اور اللہ کی پکڑ سے ڈرتے بھی نہیں' اس کے شعور سے بھی محروم ہیں-

اس کی گرفت
رات کو آ سکتی ہے جب لوگ بے خبر سوئے ہوں
اس کا مضبوط ہاتھ
دن کو بھی پڑ سکتا ہے جب لوگ کھیل کود میں لگے ہوں

لوگ اللہ کی چال سے بے خوف کیوں ہیں؟
یہ بے خوفی تو سیدھی تباہی کی طرف لے جاتی ہے
وہ اچانک پکڑتا ہے اور لوگوں کو پتا ہی نہیں چلتا

جن لوگوں نے اللہ کو جھٹلایا ہے' انھیں اللہ ان کی بداعمالیوں پر پکڑتا ہے-
(جھٹلانے کے لیے منہ سے کہنا ضروری نہیں' زبان حال اعلان کرتی ہے)

آج ہماری حکومت' عوام اور اہل دانش' سب کو
ترقی اور معاشی خوش حالی کے علاوہ کچھ نہیں سوجھ رہا
اس کے لیے نسخے بھی انھی سے لے رہے ہیں جنھوں نے مرض دیا ہے

حالانکہ زمین اور آسمان کی برکتوں کے دروازے کھولنا ہیں تو----
ایک نسخہ اللہ نے بھی بتایا ہے: ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو
تو پھر اسے اہل پاکستان! ایمان اور تقویٰ کی روش کیوں اختیار نہیں کرتے !!
(اعراف:۹۶-۹۹ کی روشنی میں)

خیرخواہ

یہ دنیوی زندگی: بے بہا اثاثہ

محمد یوسف اصلاحی

آپ ایک لق و دق ریگستان میں سفر کر رہے ہیں جہاں دور دور تک نہ کہیں پانی ہے اور نہ کھانے کے لیے کوئی چیز۔ آپ کے توشہ دان میں تھوڑا سا کھانے کا سامان ہے اور مشکیزے میں تھوڑا سا پانی جس پر آپ کی زندگی کی بقا کا انحصار ہے۔ آپ جان کی طرح اس کی حفاظت کر رہے ہیں' لیکن اس کے خرچ کرنے اور دم بدم کم ہونے کے لیے آپ مجبور ہیں' اس لیے کہ اس کے استعمال کرنے ہی پر آپ کی زندگی کا دارومدار ہے۔ اس کو صرف میں نہ لائیں تو آپ زندہ نہیں رہ سکتے۔ ایسے میں یہ زاد راہ آپ کا سب سے قیمتی اثاثہ بلکہ واحد اثاثہ ہے۔ غور کیجیے آپ اس کی حفاظت کے لیے کس قدر حساس ہوں گے' پانی کی ایک ایک بوند اور کھانے کے ایک ایک ریزے کو آپ کس جزرسی' احتیاط اور دور اندیشی سے صرف کریں گے۔ آپ کی پوری کوشش ہو گی کہ ایک بوند اور ایک ریزہ طعام بھی ضائع نہ ہو' اس لیے کہ آپ کے پاس صرف یہی اثاثہ تو ہے جس پر آپ کی زندگی کی بقا کا انحصار ہے۔

آپ کا ایمان و یقین ہے کہ موت کے بعد ایک دوسری زندگی ہے جو دائمی اور ابدی ہے۔ وہاں کا سکھ بھی ہمیشہ کا ہے اور دکھ بھی ہمیشہ کا۔ سکھ کا ٹھکانا جنت ہے اور دکھ کا ٹھکانہ جہنم۔ انسان کا انجام جنت ہے یا جہنم۔ جنت وہ سدا بہار باغ ہے جہاں ہر طرح کا آرام' راحت' عیش اور گوناگوں نعمتیں ہیں' اور جہنم وہ ہولناک آتش کدہ ہے جہاں بھڑکتی آگ اور طرح طرح کے عذاب اور اذیتیں ہیں۔ اس ہولناک جہنم سے بچنے اور نعمتوں سے مالا مال جنت کو پانے کا آپ کے پاس ایک اور صرف ایک ذریعہ ہے' اور وہ ہے آپ کی یہ زندگی!

یقیناً یہ زندگی آپ کا سب سے قیمتی اور واحد اثاثہ ہے۔ یہ اگر ضائع ہو گیا تو پھر آپ کے لیے کسی طرح جنت کو پانا ممکن نہیں۔ کس قدر بے بہا اثاثہ ہے آپ کی یہ محدود دنیوی زندگی! یہی محدود زندگی آپ کی جنت تعمیر کرنے کا بھی ذریعہ ہے اور یہی زندگی آپ کو جہنم میں بھی دھکیلنے کا ذریعہ ہے۔ یہ زندگی کیا ہے؟ چند سالوں' چند مہینوں' چند دنوں اور چند لمحوں کا مجموعہ۔ پھر یہ زندگی برابر رواں دواں ہے' ہر لمحہ کم

ہو رہی ہے' برف کی طرح برابر گھل رہی ہے۔ برف تو ممکن ہے ٹمپریچر سے نہ گھلے لیکن زندگی کا برابر گھلنا ایک واقعی حقیقت ہے۔ رواں دواں زندگی کو کسی قیمت اور کسی زور پر ہرگز روکا نہیں جا سکتا۔ زمین و آسمان کی گردش' جس پر انسان کا کوئی اختیار نہیں ہے' وہ برابر اس زندگی کو گھٹا رہی ہے۔ ہمارے قبضے اور اختیار میں ہرگز نہیں ہے کہ ہم گزرتی ہوئی زندگی کو ایک لمحے کے لیے بھی روک سکیں۔ غالب نے کیا خوب کہا ہے؎

رو میں ہے رخش عمر کہاں دیکھیے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

غور کیجیے' یہ رواں دواں زندگی' جو ہماری عاقبت بنانے کا واحد ذریعہ ہے' ہمارا کس قدر قیمتی اثاثہ ہے۔ یہ اگر خدانخواستہ ضائع ہو گیا تو ہمارے حسن انجام اور جنت کا کوئی بھی ذریعہ نہیں ہے۔ جنت کے حصول کا یہ واحد ذریعہ ہی ہمارا کل اثاثہ ہے۔ سنجیدگی سے سوچیے' یہ محدود زندگی کس قدر قیمتی ہے' اس کا ایک ایک لمحہ ہماری عاقبت کو روشن کرنے والا یا تاریک کرنے والا ہے۔ کیا کوئی سنجیدہ' محتاط اور دور اندیش انسان ان قیمتی لمحات کو یوں ہی بے پروائی' غفلت' بے فکری اور لاابالی انداز میں گزار سکتا ہے؟ آخرت کے انجام پر یقین و ایمان رکھنے والا انسان اس کا ایک ایک لمحہ پوری دردمندی' دل سوزی اور سوجھ بوجھ کے ساتھ بامقصد گزارے گا۔ اس لیے کہ لمحات کا یہ مجموعہ ہی تو اس کی جنت یا جہنم کا واحد ذریعہ اور اثاثہ ہے۔ یہ تیزی سے گزرنے اور برف کی طرح برابر گھلنے والی زندگی جو ہمارا واحد سرمایہ اور اثاثہ ہے' یہ اثاثہ اگر ضائع ہو گیا تو پھر ہمارے پاس کچھ نہیں ہے جس سے ہم اپنی عاقبت سدھار سکیں اور جنت حاصل کر سکیں۔

اس حقیقت کو نگاہ میں رکھیے تو سمجھ میں آتا ہے کہ یہ زندگی ہی سب کچھ ہے' یہی ہمارا کل اثاثہ ہے۔ ہماری کامیابی اور ناکامی اسی سے وابستہ ہے۔ یہی ہماری عاقبت بنانے والی ہے اور یہی ہماری عاقبت بگاڑنے والی ہے۔ اور پھر جب یہ سوچتے ہیں کہ یہ زندگی ایک بار اور صرف ایک بار ملتی ہے' ایک بار ختم ہونے کے بعد دوبارہ ہرگز نہیں مل سکتی' تو اس کی قیمت کا احساس اور شدید ہو جاتا ہے۔ وہ سنجیدہ اور دوراندیش انسان جو یہ احساس رکھتا ہو' اور یہ احساس ہروقت اس کے ذہن و قلب پر چھایا ہوا بھی ہو' کیا وہ اس بے بہا زندگی کے ایک لمحے کو بھی کسی لایعنی' بے ہودہ اور بے مقصد کام میں گزارنے کی حماقت کر سکتا ہے۔ وہ تو صحرا کے مسافر سے بھی کہیں زیادہ اس کے ایک ایک لمحے کو دانائی' احتیاط اور سوجھ بوجھ کے ساتھ گزارے گا۔ صحرا کا مسافر جس زندگی کو بچانے کے لیے اپنے توشہ دان کے کھانے پینے کو احتیاط اور جزرسی سے صرف کر رہا ہے' وہ زندگی تو بہرحال فنا ہونی ہے اور لازماً ایک دن ختم ہو جانے والی ہے۔ لیکن

آخرت پر ایمان و یقین رکھنے والا مومن تو جس عاقبت اور جنت کے لیے اس زندگی کے ایک ایک لمحے کو نہایت قدر دانی اور احتیاط کے ساتھ گزار رہا ہے وہ جنت تو ابدی ہے' ہمیشہ رہنے والی ہے اور جس زندگی کی بدولت وہ مل سکتی ہے' یہ زندگی ایک ہی بار ملتی ہے' دوبارہ مل ہی نہیں سکتی۔ اس کا جو لمحہ بیت گیا' وہ کسی قیمت پر ہمیں دوبارہ نہیں مل سکتا۔

اس روشن حقیقت کے باوجود ہم اپنے چاروں طرف دیکھتے ہیں کہ لوگ اپنے اس سب سے قیمتی اور واحد اثاثے کو کس لاپروائی' بے دردی اور لاأبالی پن کے ساتھ گزار رہے ہیں جس کا ایک ایک لمحہ ان کی عاقبت کو روشن کرنے والا اور ایک ایک لمحہ ابدی جنت کی تعمیر کرنے والا ہے۔ بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ اس زندگی کا لمحہ لمحہ جنت کی تعمیر کرنے والا ہے بلکہ لمحہ لمحہ جہنم کا گڑھا کھودنے والا بھی ہے۔ ایک ایک لمحہ جو سوچ سمجھ کر خدا کی ہدایت کے تحت گزر رہا ہے وہ جنت کے محل کی تعمیر کر رہا ہے اور جو لمحہ خدا کی ہدایت سے بغاوت میں گزر رہا ہے وہ جہنم کا گڑھا کھود رہا ہے۔ یہ حقیقت اگر ہمہ وقت ذہن و قلب پر غالب رہے اور احساس بیدار رہے تو آدمی ایک ایک لمحے کی قیمت کو سمجھے گا' اس کی قدر کرے گا اور ہرگز ہرگز اسے ضائع نہیں کرے گا۔ بے آب و گیاہ صحرا میں طویل سفر کرنے والا' جس طرح اپنے مختصر زادراہ کی حفاظت کرتا ہے' ایک ایک بوند پانی کو نگاہ میں رکھتا ہے اور کھانے کے ایک ایک ریزہ کو ضائع نہیں ہونے دیتا' اس سے کہیں زیادہ آخرت کا مسافر اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کی حفاظت کرے گا۔ اس کے صرف میں نہایت دردمندی' دل سوزی' احتیاط اور قدردانی کا ثبوت دے گا' اور جانتے بوجھتے ایک لمحے کو بھی ضائع کرنے کی نادانی نہیں کرے گا۔

میں یہ نہیں کہتا کہ میں کوئی انوکھی اور نادر بات پہلی بار آپ کے سامنے لا رہا ہوں' جو آپ کے علم میں نہ ہو' یا اس پر آپ نے کبھی سوچا نہ ہو۔ آپ نے یقیناً سوچا ہوگا۔ لیکن یہ ایک تذکیر ہے' آپ کے لیے بھی یاد دہانی ہے اور میرے لیے بھی۔ عام طور پر اس حقیقت کو جس پر ہمارا یقین و ایمان ہے' ہم ذہن میں تازہ نہیں رکھ پاتے۔ یہ احساس اکثر مضمحل ہو جاتا ہے اور ہماری زندگی کی بے پناہ قیمتی ساعتیں بہت سے ایسے کاموں میں صرف ہو جاتی ہیں جن کا کوئی مثبت اور مفید نتیجہ نہیں ہوتا' بلکہ برے نتیجے اور برے انجام کا اندیشہ لگا رہتا ہے اور اسی طرح عمرعزیز کا بیش بہا حصہ اپنے ہاتھوں سے ہم ضائع کر دیتے ہیں۔

یہ نہایت تیزی سے گزرنے والی عمر کا ایک ایک لمحہ اگر سوچ سمجھ کر اللہ کی بندگی میں گزر جائے تو یقین کیجیے کہ یہ ہر لمحہ ہمارے دل کش کردار کی تعمیر کر رہا ہے جو اسلام کا حسین پیکر ہے' اور اگر خدانخواستہ اللہ سے بغاوت میں گزر رہا ہے تو پھر ایک ایک لمحہ کفر و نفاق اور اللہ سے بغاوت کا مکروہ کردار تعمیر کر رہا ہے' جو جہنم کا ایندھن ہے۔

اس احساس کو ذہن و قلب پر غالب رکھتے ہوئے اگر زندگی کے شب و روز گزر رہے ہوں تو ہم بڑے خوش نصیب ہیں۔ درحقیقت ہم اس کردار کی تعمیر کر رہے ہیں جس میں اسلام کی عظمت دکشش کا جلوہ ہوگا اور جو اسلام کے جمال و کمال کا پیکر ہوگا۔ اس کردار میں وہ زبردست کشش ہوگی کہ خدا اور خلق خدا' دونوں کی محبتوں کا یہ مرکز ہو گا۔ اللہ کی نظر میں بھی آپ مقبول و محبوب ہوں گے اور بندگان خدا کی نظر میں بھی آپ کی وقعت و عظمت اور عقیدت و محبت ہو گی۔ آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ اتباع رسولؐ کے سانچے میں ڈھلا ہو گا' اور آپ کوئی ایک لمحہ کسی لایعنی' بے مقصد اور بے ہودہ کام میں ہرگز صرف نہ کریں گے' بلکہ اس تصور سے بھی آپ کو ناگواری ہو گی۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کو اللہ کے رسولؐ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت پراثر اور جامع انداز میں ایک جملے میں یوں ادا فرمایا ہے:

من حسن الاسلام المرء ترکه مالا یعنیه

کسی آدمی کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ لایعنی کاموں کو ترک کر دے۔

جو مومن اپنی مسلسل کوشش اور پیہم تربیت و تزکیے کی بدولت اسلام کے فیوض و برکات سے اپنے حسن کردار کی تعمیر کرنے میں لگا رہتا ہے اور اس کا کردار اسلام کے حسن و جمال اور عظمت و رفعت کا پیکر بن کر ابھرتا ہے تو اس کی ممتاز علامت ایک یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کی عمر عزیز کا کوئی لمحہ' کسی لایعنی اور لغو کام میں ہرگز صرف نہیں ہوتا۔

نئی صدی میں ہماری ترجیحات

ڈاکٹر سید عبدالباری ○

مغرب نے گذشتہ ۲۰۰ سالوں میں مادہ پرستی کے بے تحاشا فروغ، مشینی کلچر کی ترویج اور آسایش حیات اور انسان کی مادی ضروریات میں روز افزوں اضافے کے ذریعے اسراف پرستی (consumerism) اور افادیت پرستی (utilitarianism) کا جو جنون پیدا کیا، اس کے جو تلخ نتائج سامنے آئے، ارضی و سماوی ماحول جس طرح برباد ہوا، معاشرہ جس طرح زہر آلود ہوا اور لاحاصل ایجادات و اکتشافات جس طرح زمین پر بوجھ اور انسانی تمدن کے لیے ایک عذاب بن کر منظرعام پر آئیں، ایک بااصول امت اس کو سامنے رکھ کر اپنی مستقبل کی منصوبہ سازی کرے تو بہتر ہے۔ اب مغرب نئی صدی میں کچھ نئے شعبدوں، انسانی بہبود کے کچھ نئے بے فیض منصوبوں اور انسانی معاشرے اور انسانی شخصیت کو نئے فریب میں مبتلا کرنے والی تجویزوں کے ساتھ سامنے آ رہا ہے تاکہ مشرق کے اندر جو اخلاقی بیداری پیدا ہو رہی ہے اور اپنی شناخت اور اپنے افکار و عقائد کے فروغ کے لیے مرمٹنے والی جس فدائیت سے وہ سرشار ہو رہا ہے، اس کو دوسرے رخ کی طرف موڑا جا سکے۔ ہزار حیف اگر مسلم دانش ور بھی ان طلسمات کے اسیر ہو جائیں اور مشرق وسطیٰ سے وسط ایشیا اور وسط ایشیا سے افریقہ تک جو فکر تازہ اور ولولہ نو اسلام کی نشات ثانیہ اور اعلاے کلمۃ اللہ کے لیے پیدا ہو رہا ہے اور جسے مغرب دہشت گردی، ماضی کی طرف رجعت قہقری، اور جدید دور کے تقاضوں سے روگردانی اور قابل نفرت رجحان قرار دے کر دنیا کی کمزور قوموں کو گمراہ کر رہا ہے، اسے ترک کر کے خود مغرب کے راگ میں راگ ملانے لگیں۔

تعجب ہے کہ کچھ لوگ، معلومات و اطلاعات کے ذرائع میں جو غیر معمولی ترقی ہوئی ہے، اسے انسانی اقدار اور انسانی تمدن کے فروغ کا ایک وسیلہ اور ذریعہ سمجھنے کے بجائے، ایک فلسفہ حیات، نظریہ ساز اور مقصود بالذات شے قرار دے رہے ہیں اور اس کی چکاچوند سے اس قدر مرعوب ہیں کہ اسے جدید تہذیب

○ پروفیسر (ر)، اودھ یونی ورسٹی، بھارت

اور نئے دور کا محور تصور کرنے لگے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سوال پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے کہ ان جدید وسائل کے ذریعے ہم جو کچھ حاصل کریں گے اس سے ہمارے روحانی و اخلاقی نظام میں کیا جوہری تبدیلی پیدا ہو گی۔ اس میں شک نہیں کہ جدید ترین وسائل حیات اور وسائل جنگ میں پیچھے رہ جانے کی وجہ سے ٹیپو سلطان کے بعد سے مشرق مغرب سے مسلسل شکستوں کا سامنا کرتا رہا ہے لیکن ذرا گہرائی سے سوچیے تو اندازہ ہو گا کہ اس کی پشت پر ہمارا اخلاقی زوال اور تشتت و افتراق سب سے زیادہ مہلک ثابت ہوا ہے۔ کیا ذرائع ابلاغ ہماری اس دیرینہ بیماری کا بھی علاج کر سکیں گے، اور کیا وہ ادارے جو اس بیماری کو دور کرنے کے مشتاق ہیں، ذرائع ابلاغ اور تکنیکی مہارت میں فروغ کو اپنی ترجیحات میں سرفہرست رکھ کر زیادہ سرخرو ہو سکیں گے؟

علم جہاں کامرانی، اقتدار، قیادت اور تہذیبی سربلندی کا ذریعہ اور طاقت کی کنجی ہے وہیں تہذیب نفس کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ تہذیب و ضبط نفس سے انسان دنیا میں بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے۔ بدقسمتی سے مغرب میں مدت دراز سے علم کے ارتقا کا تعلق انسانی شخصیت کی بہبود اور انسان کے اخلاقی وجود کے استحکام سے برقرار نہیں رہ سکا۔ اس نے انسان کے اخلاقی وجود کو نظرانداز کر کے علم کو محض طاقت کے حصول اور آسایش حیات کی فراہمی کا وسیلہ قرار دیا۔ چنانچہ معاشرے کی فلاح و بہبود کا محض مادی پہلو مد نظر رہ گیا اور حقیقی انسانی بہبود سے محروم معاشرے وجود میں آئے جس میں "کھاؤ پیو، عیش کرو" کی نفسیات کارفرما رہی۔ مغرب میں حقوق انسانی اور عدل و انصاف کی باتیں بڑی حد تک سیاسی حکمت عملی اور پروپیگنڈے کی حیثیت رکھتی رہی ہیں۔ حقوق انسانی اور جمہوریت و آزادی کا نعرہ بلند کرنے والے ایشیا اور افریقہ میں ڈکٹیٹروں، بادشاہوں اور فوجی ظلم و جبر کے بل پر انتخابات کا ڈراما کرنے اور کامیابی حاصل کرنے اور اپنے نظریاتی حریفوں کو صفحہ ہستی سے ختم کرنے والے حکمرانوں کی پشت پناہی مسلسل اور کھلے عام کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ مغرب کا سارا علمی ارتقا مشرق کے لیے سوالیہ نشان بن گیا ہے۔

مغرب سے آنے والے جدید علوم اور ثقافتی تصورات مشرق کے لیے من و عن قبول کرنے کے لائق نہیں۔ ان میں خود کو سمو کر مشرق نہ تو کسی اچھے معاشرے کی تشکیل میں کامیاب ہو سکے گا اور نہ فرد کا ارتقا صحت مندانہ انداز سے ہو سکے گا۔ البتہ علوم کے بجائے مغرب کی معلومات و اکتشافات و ایجادات سے ضرور مستفید ہونے کی ضرورت ہے۔ مغرب کے پاس معلومات کا ڈھیر تو ہے اور وہ فارمولے بھی ہیں جن کے ذریعے کائنات کی توانائیوں سے ہزارہا کام لیے جا سکتے ہیں مگر وہ اصول و نظریات نہیں ہیں جو ان معلومات کو سلیقہ مندی سے استعمال کے لیے روشنی عطا کر سکیں۔ سائنسی ٹکنالوجی، بایو ٹکنالوجی، ماحولیات اور ذرائع ابلاغ کے امور میں حیرت انگیز انکشافات اور اکتسابات کے باوجود مغرب اپنے افراد اور اپنے

معاشروں کی تاریک زندگیوں کو روشنی مہیا کرنے سے محروم و معذور ہے۔ بدقسمتی سے دنیا کے ہر ملک اور ہر معاشرے میں مغرب کے پیدا کیے ہوئے اس جنون کے اثرات پائے جاتے ہیں کہ یہ علم کے زمین سے ابل پڑنے اور آسمان سے پھٹ پڑنے کی صدی ہے اور اس انفجار علم (explosion of knowledge) سے فیض یاب ہونے میں جو پیچھے رہ گیا وہ دنیا کا سب سے ناکارہ' بدقسمت اور برباد انسان اور معاشرہ ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ مغرب کون سے نئے علوم کی تخلیق کر رہا ہے اور ان علوم سے کس طرح کے افراد اور معاشروں کی صورت گری ہو رہی ہے؟ یہ علوم محض انسان کی جیسی تیسی معلومات کو برق رفتاری سے پلک جھپکتے زمین کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک پہنچانے کی صلاحیت' اس کی جسمانی توانائیوں اور قوت کارکردگی میں اضافہ اور اس کی معلومات کو محفوظ و مامون رکھنے کے قابل اعتماد وسائل پر قدرت کی حد تک محدود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اسے ہم علوم عالیہ میں شمار ہی نہیں کر سکتے۔ حضرت سلیمانؑ کے دربار کے ایک صاحب علم نے پلک جھپکتے ملکہ سبا کا تخت ہزاروں میل کی دوری سے ان کے دربار میں لا کر پہنچا دیا تھا اور وہ پرندوں کے ذریعے وہ معلومات حاصل کر لیتے تھے جنھیں آج سائنس کے پیچیدہ آلات مہیا نہیں کر سکتے۔ مگر ان مادی کرشموں سے زیادہ جس چیز نے ان عالی مرتبت پیغمبروں کو تاریخ میں یادگار مقام عطا کیا وہ دراصل اس علم کی وجہ سے تھا جو انسان کی اخلاقی رفعت' ضبط نفس اور ارتقاے روح کے سلسلے میں انھیں حاصل ہوا تھا۔ یہ بات ذہن میں رکھنے کی ضرورت ہے کہ صحیح علم جو مستحکم عقائد و ایمانیات پر استوار ہے تغیرو تبدل سے ہمکنار نہیں ہوتا۔ ہماری قدریں لازوال و ناقابل تغیر ہیں۔ تغیرو تبدل وسائل حیات اور انسان کے مادی ماحول میں ہوتا رہتا ہے لیکن اس کی وجہ سے مرد مومن کے بنیادی اصول و نظریات نہیں تبدیل ہوتے۔ وہ علم کے جن پیغمبرانہ سرچشموں سے سیراب ہوتا رہا ہے وہ کبھی خشک نہیں ہوتے اور نہ کبھی اپنا رخ تبدیل کرتے ہیں۔

نئی ٹکنالوجی سے انسان کے صدہا سال کے علمی و فکری تسلسل میں کوئی جوہری تبدیلی رونما نہیں ہوئی ہے۔ آج بھی انسان کے طرز رہایش میں طرح طرح کی ندرتوں اور روزگار کے نئے نئے امکانات کے باوجود سماجی رشتوں کی استواری اور بہتری کا انحصار ان اقدار پر ہے جو قدیم علوم کی پروردہ ہیں۔ وہ علوم جن کا سلسلہ عالی مرتبت پیغمبروں سے جا کر ملتا ہے' جدید علوم نے ان میں کوئی خاص اضافہ نہیں کیا ہے۔ مسئلہ صرف یہ ہے کہ اقدار کا رشتہ انسانی زندگی سے ٹوٹ گیا ہے۔ کیونکہ مادیت کی کشاکش اس کی اجازت نہیں دیتی کہ انسان اپنی ذات کی طرف توجہ کرے' نتیجتاً وہ اپنی ٹوٹی بکھری شخصیت کو لے کر جدید تمدن کے خوشنما اور طاقت ور پروں کے سہارے کبھی بلندیوں پر پرواز کرتا اور کبھی پستیوں پر آ کر قدم ٹیک دیتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ مختلف ذوق و ذہانت اور الگ الگ شعبہ جات میں کام کرنے والوں کے درمیان خبررسانی کے لیے جدید ترین آلات کی مدد سے تبادلہ معلومات کے سلسلے میں ضروری آسانیاں مہیا ہو جاتی ہیں لیکن یہ توقع رکھنا کہ اس سے انسانی رشتے مستحکم

ہو سکیں گے اور آپس میں ربط و ارتباط اور باہمی تعاون کے جذبات فروغ پذیر ہوں گے' لاحاصل ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس سے علمی و تحقیقی کاموں کے لیے بے پناہ سہولت پیدا ہو جائے گی' مگر یہ کہ اس سے انسان کی قوت تخلیق و اختراع میں اضافہ ہو جائے گا' محض خوش فہمی ہے۔

بصیرت و دور اندیشی انسان یا کسی معاشرے کے افراد میں معلومات کے صحیح ضابطوں' ذرائع معلومات کی اعلیٰ تکنیک' طرز رہائش میں ہونے والی ایجادات اور ترسیل علم کے جدید ترین ذرائع اختیار کرنے سے شاید فروغ پذیر نہ ہو سکے۔ بصیرت و دور اندیشی کا تعلق جتنا خارجی دنیا سے ہے اس سے زیادہ انسان کی داخلی دنیا سے ہے جس میں نور و سرور پختہ ایمان و یقین اور نوع انسانی کے لیے اس کشادہ دلی سے پیدا ہوتا ہے جو خدا پر پختہ یقین اور آخرت پر بھروسے سے وجود پذیر ہوتی ہے۔ اعلاے کلمۃ اللہ ایک مومن کا مقصود و منتہا ہے۔ اس کے لیے اور انسانیت کے زریں اصولوں پر مبنی معاشرے کی تشکیل و ترویج کے لیے ذرائع معلومات اور رسل و رسائل کے میدان میں فروغ سے بے شک بہت سی سہولتیں اور آسایشیں پیدا ہوں گی مگر موجودہ اسلامی ادارے اور تحریکات اس پر اپنی ساری طاقت جھونک دینے اور اس کو مقصود بالذات سمجھنے سے اپنے نصب العین سے دور ہو سکتی ہیں اور اعلاے کلمۃ اللہ کی منزل تو دور کی بات ہے اس کے راستے کا غبار بھی شاید ہاتھ نہ آسکے۔ یہ وہ مقصود و مدعا ہے جو انسان سے غیر معمولی ایثار و قربانی اور یکسوئی و والہانہ پن کا طالب ہوتا ہے۔ اس کے لیے زندگی کی بے شمار آسایشوں کو قربان کرنا ہوتا ہے۔ اسے شاید ڈرائنگ روم یا میٹنگ ہال میں بیٹھ کر منصوبہ بندی کی کاوشوں سے حاصل کرنا ممکن نہیں' اس کے متمنی کو گلی کوچوں میں عام ابناے جنس کے ساتھ غبار آلود ہونا پڑتا ہے۔

یہ سچ ہے کہ اقوام و امم کی نشوونما ان کے نظریات و عقائد کی روشنی میں ہوتی ہے اور آنے والی نسلوں کی تخلیقی قوت انھی نظریات اور عقائد کے سہارے نمو پذیر ہوتی ہے اور انتشار و پراگندگی سے نجات حاصل کرتی ہے۔ ایک نسل کی دنیاوی محنت و مشقت کا پھل اس کی آنے والی نسلوں کو تھوڑی سی توجہ سے آسانی سے منتقل ہو جاتا ہے' لیکن جو چیز دشوار ہے وہ ہے ثقافتی و اخلاقی اقدار اور تہذیبی شناخت کو ایک نسل سے دوسری نسل کی طرف منتقل کرنے میں کامیابی کا حصول۔ اس کے لیے مشینی ذرائع ابلاغ سے زیادہ شاید انسانی قلب و روح کے داخلی ذرائع ابلاغ زیادہ کامیاب و کارآمد ثابت ہوتے ہیں جن کے کل پرزے انسان کی روز مرہ زندگی میں اس کے اعمال و افعال' اس کی دوڑ دھوپ اور اس کے معاملات و برتاؤ ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ اسلام کے بارے میں مغرب کئی صدیوں سے اندھا دھند غلط فہمیاں پھیلاتا رہا ہے اور مسلمانوں کا چہرہ بگاڑ کر پیش کرنے کی کوششوں میں مصروف رہا ہے۔ اس غلط پروپیگنڈے اور غلط فہمیوں کے ازالے اور صحیح معلومات کی فراہمی کا یہ سنہرا موقع ہے۔ ضروری ہے کہ مسلمانوں کے اداروں

کی تکنیکی وسائل تک بھی رسائی ہو اور وہ ذرائع ابلاغ' ترسیل معلومات اور ذرائع نشرواشاعت کے جدید ترین وسائل کو استعمال کریں۔ لیکن ایک مثالی معاشرے کی تشکیل اور فرد کے اخلاق کی رفعت سے غفلت نہیں برتنی چاہیے۔ یہ نہایت کثیرالجہات جہد و کاوش کا طالب ہے۔ ذرائع ترسیل و ابلاغ اس سلسلے میں ایک شعبے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ میڈیا' رسل و رسائل اور ذرائع معلومات کے لیے ملت اسلامیہ کا ایک بین الاقوامی فورم وجود میں آئے۔ یہ امت مسلمہ کی ایک اہم ضرورت ہے۔ اس پر یہودیوں اور اسلام دشمن افراد اور اداروں کی عالم گیر سطح پر بلاشرکت غیرے اجارہ داری ہے اور یہ عالم انسانیت کے لیے بڑی خرابیوں اور بربادیوں کا سبب بن گئی ہے۔ اس میڈیا کی کیفیت ملاحظہ ہو کہ انڈونیشیا کے تیمور کے علاقے کے سلسلے میں مغرب نے ایک کہرام برپا کر رکھا تھا اور اسی میڈیا سے چیچنیا میں روس کی فوجی کارروائی' نسل کشی اور قتل عام پر کبھی کبھی مشکل سے کچھ خبریں آتی ہیں۔ کون ہو گا جس کا دم چیچنیا کے سلسلے میں عالم اسلام کی محرومی و مجبوری پر نہ گھٹ رہا ہو۔ یہ نہایت ضروری اور مناسب اقدام ہو گا کہ جلد از جلد عالم گیر سطح پر میڈیا اور ذرائع معلومات کے لیے کوئی ادارہ وجود میں آئے اور منصوبہ بندی کر کے اور مختلف ایسے اداروں سے ضروری تعاون حاصل کر کے عالمی پیمانے پر سرگرم عمل ہو۔

یہ بھی طے کرنے کی ضرورت ہے کہ مسلم ممالک میں نجی شعبہ اور غیر سرکاری تنظیمیں کن میدانوں میں تکنیکی قوت کی حامل ہیں اور کون سی ٹکنالوجی امت مسلمہ اور مسلم ممالک کی اقتصادی حالت کو تیز رفتاری سے بدل سکتی ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ مسلمان بین الاقوامی بازار میں مقابلے کی سبقت کے حصول کے لیے ضروری حکمت عملی طے کریں اور اس کا بھی تعین کریں کہ آنے والے دنوں میں کون کون سی ٹکنالوجی ازکار رفتہ اور متروک ہو جائے گی۔

اس کے ساتھ اس پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ آنے والے دنوں میں تیز رفتار مشینی ارتقا کے نتیجے میں معاشرے میں کیا تغیرات رونما ہوں گے اور اس کی مخلوط شناخت کیا نئے مسائل کھڑے کرے گی۔ یہ بھی سوچنے کی ضرورت ہے کہ آیندہ خلائی و ماحولیاتی ٹکنالوجی' اطلاعاتی ٹکنالوجی' توالد و تناسل کے سلسلے میں تکنیکی مہارت اور ادویہ کے شعبوں میں نئی ایجادات آنے والے دور میں انسانی معاشرے پر کیا اثرات ڈالیں گے؟ انسانوں میں انفرادیت پسندی کا غلبہ ہوگا یا وہ خاندانی زندگی کی طرف مائل ہوں گے۔ مادہ پرستی بڑھے گی یا ماحول اور معاشرے کی ضروریات کو ملحوظ رکھا جائے گا' تہذیب چھوٹے چھوٹے خانوں میں بٹ جائے گی یا عالم گیر سطح پر آفاق گیر خصوصیات کے ساتھ اس کا ارتقا ہوگا۔

یقیناً پیغمبرانہ علوم سے فیض یاب اور عالم گیر آفاقی اصولوں کے لیے بے لوث فدائیت کا جذبہ رکھنے والے اہل نظر ان سوالات کا جواب ڈھونڈ سکتے ہیں اور ان چیلنجوں کا آسانی سے سامنا کر سکتے ہیں' انھیں اس طرف توجہ کرنا چاہیے۔

میڈیا اور اسلامی اقدار : غور طلب پہلو

پروفیسر عبدالقدیر سلیم ○

اگست ۲۰۰۰ء کے ترجمان القرآن میں "میڈیا کا مشرف بہ اسلام ہونا" کے عنوان سے "رسائل و مسائل" کے تحت ایک دل چسپ سوال اٹھایا گیا ہے۔ سوال کرنے والے صاحب نے الجھن یہ پیش کی ہے کہ "آخر میڈیا کو ہم کس طرح اسلامک بنا سکتے ہیں؟ کیا ٹی وی پر مرد نہیں آئیں گے' اور اگر آئیں گے' تو کیا گھروں کے اندر عورتیں ٹی وی دیکھنے سے اجتناب کریں گی؟" یہ بھی کہا گیا کہ میڈیا' جس میں ڈش انٹینا' ٹی وی' انٹرنیٹ' کیبل نیٹ وغیرہ شامل ہیں' ترقی کے ناگزیر آلات بن گئے ہیں۔

برادر گرامی ڈاکٹر انیس احمد کا جواب فکر انگیز بھی ہے' اور دل چسپ بھی۔ ڈاکٹر صاحب نے بجا فرمایا ہے کہ قوموں کے عروج و زوال کا تعلق ان کے اخلاق و کردار' قوانین فطرت کو سمجھنے اور پیروی کرنے اور وقت اور قوت و محنت کے صحیح استعمال سے ہے۔ محض ذرائع ابلاغ کے فروغ کے زینے سے کوئی قوم ترقی کی منازل طے نہیں کر سکتی۔

اصولی اور عمومی طور پر یہ بات بالکل صحیح ہے۔ ترقی کا عام مفہوم اور اس کی پیمایش کے جو عام اشارے ہیں' ان کے مطابق فرد اور قوم کی ترقی کے یہی وسیلے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے قرآن مجید کی آیت: اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا (بنی اسرائیل ۱۷:۳۶) یعنی یقیناً کان' آنکھ اور دل' ان سب کے بارے میں پوچھا جائے گا--- کی نہایت دل چسپ اور قابل غور تعبیر کی ہے کہ "سماعت (audition)' بصارت (vision) اور فواد (cognition) کا صحیح اخلاقی استعمال کرنے کے لیے' اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر عمل کیا جائے" (ص ۶۸)۔ قطع نظر اس کے کہ "فواد" کی قرآنی اصطلاح کا تعلق فکر اور تعقل سے غالباً اس قدر نہیں' جتنا کہ volition یعنی ارادے اور نیت سے ہے' یہ بات بالکل درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تمام صلاحیتوں' بشمول فکری صلاحیتوں کے بارے میں بازپرس ہو گی کہ ان کا کس طرح

○ وزٹنگ پروفیسر' انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن' کراچی

استعمال کیا گیا۔

لیکن سوال کرنے والے صاحب کا اصل مدعا (اگر میں صحیح سمجھا ہوں) تو یہ ہے کہ اس اصولی موقف کے پیش نظر جدید برقیاتی ذرائع ابلاغ کے ذریعے تفریحی اور دوسرے پروگرام کس طرح ترتیب دیے جا سکیں گے۔ مثلاً چند متعین سوال یہ ہوسکتے ہیں:

۱- کیا ٹی وی پر کھیل اور جسمانی مقابلوں اور کرتبوں کے پروگرام پیش کیے جاسکتے ہیں؟

۲- کیا ٹی وی پر ڈرامے اور کہانیاں ("صاف ستھری") پیش کی جاسکتی ہیں؟

۳- کیا ٹی وی پر اشتہارات پیش کیے جاسکتے ہیں؟

۴- کیا ٹی وی پر نغمے اور موسیقی کے پروگرام پیش کیے جاسکتے ہیں؟

ڈاکٹر صاحب نے ان تمام سوالات کا جواب اثبات میں دیا ہے۔ "آپ فنی کمال کے ساتھ متبادل پروگرام بنائیں' جن میں ڈرامے بھی ہوں' نغمے بھی ہوں' دستاویزی پروگرام بھی ہوں" (ص ۶۸)۔ ان کا کہنا ہے کہ "جدید اور کلاسیکی موسیقی کو نظرانداز کر کے اور نیم عریاں خواتین کو ڈراموں اور نعت جیسے پروگرام میں لائے بغیر بھی دل چسپ اور فنی لحاظ سے معیاری پروگرام بنائے جاسکتے ہیں... مثلاً دف اور ڈھول کے استعمال کی کوئی ممانعت نہیں..." (ص ۶۹) وغیرہ۔

اس پورے دل چسپ جواب کو میں مغرب کی میڈیا یلغار کے جواب میں معذرت خواہی تو نہیں کہوں گا' لیکن یہ ضرور عرض کروں گا کہ جدید مغربی ٹکنالوجی کے مختلف مظاہر کے چیلنج کا جو ردعمل آج کل ہمارے جدید علماے دین کی طرف سے آ رہا ہے' اس کا ایک غیر جذباتی مطالعہ چشم کشا بھی ہے اور دل چسپ بھی۔

بیسویں صدی ختم ہو رہی ہے (یا ہو چکی)' اس صدی کے ۵۰ کے عشرے میں بھی اسلامی ذہن رکھنے والے طلبہ کے ایک معروف انگریزی جریدے (Students Voice) میں بھی کسی انسانی شبیہ کی اشاعت سے احتراز کیا جاتا تھا۔ اس بحث میں پڑے بغیر کہ تصویر کا جواز ہے یا نہیں' اصل بات یہ ہے کہ کیا یہ ایک موقف سے پسپائی ہے' ایک بہتر اجتہاد ہے یا رواج اور عرف سے ہم آہنگی کی کوشش ہے۔

مسئلہ ٹی وی پر جان دار اور بے جان کو دکھانے کا نہیں۔ صرف یہ ہے کہ اداکار اور فن کار' قائدین اور اساطین' عوام کے جذبہ تحیر و تعظیم اور fascination کو بیدار کرنے کا رجحان رکھتے ہیں' اور الیکٹرانک بصری میڈیا انھیں مہمیز کرنے میں مدد و معاون ہے۔

اصل بات وہی ہے' جو ڈاکٹر صاحب نے یوں کہی ہے: "ثقافتی ابلاغ عامہ کی یلغار' دور جدید کا ایک حربہ ہے۔ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔ اس لیے ہمیں قرآن و سنت کی بنیاد پر اس میدان میں چیلنج قبول کرتے

ہوئے جامد روایت پرستی سے آزاد ہو کر اسلامی اخلاق' حیا اور طہارت کے دائرے میں رہتے ہوئے تجربات کرنے ہوں گے" (ص ۶۹-۷۰)۔

بات بالکل درست ہے لیکن میرا معروضہ یہ ہے کہ مغرب نے جس سائنس اور فنیّات کو فروغ دیا ہے' وہ اقدار کے لحاظ سے بے رنگ یعنی value free نہیں ہیں۔ یہ ایک فکری مغالطہ ہوگا' اگر ہم یہ سمجھیں کہ ان کی حیثیت محض "ذریعہ" کی ہے' اور غایت متعین کرنے میں ہم بالکل آزاد ہیں۔ یہ بات سبھی جانتے ہیں کہ مغرب کے بعض اصحاب فکر اس حقیقت کا ادراک (اور اظہار) کرنے لگے ہیں کہ بعض آلات' بعض مخصوص مقاصد ہی کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں۔ تلوار سے سر اتارنے کا کام تو لیا جا سکتا ہے' سر مونڈنے کا نہیں۔ جیساکہ نیویارک یونی ورسٹی کے ڈیپارٹمنٹ آف کمیونی کیشن آرٹس کے صدر نشین اور ممتاز دانش ور نیل پوسٹ مین (Niel Postman) کا کہنا ہے کہ "صرف وہ لوگ' جو ٹکنالوجی (فنیات) کی تاریخ سے بالکل بے خبر ہیں' یہ مانیں گے کہ ٹکنالوجی کلیتاً غیر جانب دار ہوتی ہے"۔ ہر ٹکنالوجی کے اپنے تقاضے ہیں' اگر آپ انھیں پورا نہیں کرتے' تو اس کے ساتھ انصاف نہیں کرتے اور آپ کے مقاصد بھی تقاضا کرتے ہیں کہ مخصوص مقاصد کے لیے آپ مخصوص تکنیک استعمال کریں۔ اسی کو مناسب ٹکنالوجی (appropriate technology) کہا جاتا ہے۔

جہاں تک ذرائع ابلاغ کا تعلق ہے' ان پر تحقیق اور کچھ فکر انگیز کام کے سلسلے میں مارشل میک لوہان (Marshall Mcluhan) کا نام اب غیر معروف نہیں رہا' اگرچہ ان سے پہلے بھی لوگوں نے اس پر سوچ بچار شروع کر دیا تھا۔ ۶۰ء کے عشرے ہی میں انھوں نے جدید سماجیاتی طریق ہاے تحقیق کو استعمال کیا اور اپنے نتائج فکر پیش کیے۔ انھوں نے واضح طور پر بتایا کہ ایک میڈیم (ذریعے) کے درون ساختہ میلانات (built-in biases) بعض قسم کے پیغامات کی ترسیل کی اجازت سہولت دیتے ہیں' اور بعض کی نہیں۔ گویا نفس پیغام یا اصل پیغام' پیغام رسانی کے ذریعے سے کلیتاً بے تعلق نہیں رہ سکتا۔ گویا پیغام' اپنے وسیلہ پیغام رسانی سے متاثر ہوتا ہے۔ وسیلہ پیغام' اصل پیغام کے اثرات کو بڑھاتا' گھٹاتا اور بعض صورتوں میں مسخ یا بالکل زائل بھی کر دیتا ہے۔ ان کے اپنے الفاظ میں' "ذریعہ ابلاغ ہی پیغام ہے" (The Media is the message)-

اگرچہ "کھیل کھیل میں پڑھائی" اور "تفریح کے ذریعے دعوت اور تطہیر افکار" کا تصور (اور طریق) نیا نہیں' اور بعض صورتوں میں اسے آزمایا بھی گیا ہے' لیکن میری معلومات اور کئی جائزوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے' کہ ٹی وی کے تفریحی پروگرام اور انٹرنیٹ میں "سرفنگ" کی سہولتوں سے علمی اور اخلاقی فوائد کے بجائے منکرات ہی کو فروغ ہو رہا ہے کہ یہ میڈیم تعمیر کردار کے لیے بنے ہی نہیں ہیں۔

مثال کے طور پر ایک "اسلامی ڈرامے" جس میں کوئی محمد بن قاسم (ٹیپو سلطان یا کوئی اور جرنیل) راجا داہر (یا کسی اور) ظالمانہ' استحصالی' مشرکانہ اور مسرفانہ' اللہ کی باغی اور خلق خدا کی دشمن قوتوں کے خلاف نبرد آزما ہے' کو لیجیے۔ یقیناً مناظر' صرف میدان جنگ میں شمشیرزنی ہی کے نہیں ہوں گے۔ راجا داہر (یا کسی اور) کے سرداروں کی محل سرائیں (غیر مسلم ثقافت اور عیش و عشرت کے "گھناؤنے" نمونے) غریب اور بے سہارا مردوں اور "عورتوں" پر ظلم و جبر کے مناظر اور "زیب داستاں" کے لیے بہت کچھ اس میں شامل ہو گا۔ سوال یہ ہے کہ یہ عکس و تمثال (images) کس حد تک اسلام کی متعین کردہ حدود کے دائرے میں آسکیں گے؟

ٹی وی پر کھیل' تماشے' جسمانی کرتبوں اور مقابلوں پر مشتمل پروگراموں کو لیجیے۔ میں تجریدی طور پر خلا میں بات کرنے کے بجائے ٹھوس اور متعین مثالوں کو پیش کرنا مناسب سمجھوں گا۔ سوال یہ ہے کہ مثلاً کیا ٹی وی پر ومبلڈن ٹینس کے مقابلے میں خواتین کو اور مردوں کی کشتی اور مکہ بازی کے مقابلوں میں مردوں کو "ستر عورۃ" سے مستغنی دکھایا جا سکتا ہے؟ (خواتین کے دیکھنے کے لیے خواتین کی کشتیوں اور مکہ بازی کے مقابلے بھی دست یاب ہیں)۔ پھر اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ عورتوں کی کشتیوں کو (جب وہ "آن ایئر" ہوں) مرد ملاحظہ نہیں کریں گے' اور علیٰ ہذا القیاس' مردوں کی کشتیاں' آبادی کا نصف بہتر نہیں دیکھے گا؟

ان امور پر میں فتویٰ دینے کی حیثیت میں تو نہیں ہوں' لیکن نفسیاتی' سماجی اور اخلاقی عوامل اور ان کے پیدا کردہ نتائج کی طرف اشارہ ضرور کر سکتا ہوں۔ میرا معروضہ یہ ہے کہ "جائز تفریحات" کے سلسلے میں بھی اگر آپ حدود کو ڈھیلا کرتے جائیں' تو مختلف حسیات کے لوگ مختلف معیاروں اور اقدار کی مختلف حدود کو سامنے رکھ کر مختلف دائرے کھینچتے چلے جائیں گے' اور:

شد پریشاں خواب من از کثرت تعبیر ہا

کا منظر ہو گا۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد بھی پیش نظر رکھنا ہو گا جس کے مطابق جو شخص اللہ کی کھینچی ہوئی حد کے قریب ٹہلتا رہتا ہے' خدشہ یہ ہے کہ وہ اسے پار بھی کرے گا یعنی "حدود کی خلاف ورزی" اس طرح ہونے کا امکان ہے۔

اسی طرح ٹی وی پر اشتہارات کا مسئلہ ہے۔ اشتہارات کے سلسلے میں اشتہار باز آج کل دو مختلف قسم کی حکمت عملی اپنا رہے ہیں' بعض صورتوں میں اشیا (اور خدمات) کی فروخت کے لیے "گلیمر گرلز" کو استعمال کیا جاتا ہے (شیمپو' بیوٹی کریم' غسل کے صابن' کپڑوں کے اشتہارات ان کے نمونے ہیں)' یا بوڑھی معمر اور جوان مگر "سادہ" خواتین خانہ کو (کپڑے' برتن دھونے کے صابن' ڈٹرجنٹ اور دوسری عام

گھریلو اشیا) یا بچوں / بچیوں کو بطور ماڈل پیش کیا جاتا ہے۔ خواتین (یا مردانہ وجاہت والے ماڈلز' جو سگرٹ 'بلیڈز' مشروبات وغیرہ میں آتے ہیں) کے بغیر اشتہارات کا تصور کیجیے۔

اس میں شک نہیں کہ اشتہارات' حیوانی محرکات کو اپیل کیے بغیر بھی بن سکتے ہیں' لیکن اولاً تو اس سے اشتہار کے وہ دانت اور ناخن بڑی حد تک کند اور ناکارہ ہو جائیں گے جو صارفین کو شکار کرنے کے لیے کاروبار اشتہار میں استعمال کیے جاتے ہیں' اور پھر ذرا گہرائی میں جائیں تو ہم اس سے نسبتاً زیادہ گہرے اخلاقی مسئلے سے دوچار ہوتے ہیں کہ کیا بیشتر اشتہار اسراف و تبذیر' بے جا نمود و نمایش اور صارفیت (consumerism) کی طرف نہیں لے جاتے' جن کے نتیجے میں ہوس کی آگ اور خواہشات کو مہمیز دی جاتی ہے' اور معاشرے میں ایک بگٹٹ معاشی دوڑ شروع ہو جاتی ہے' جس کے پہلے شہید (victims) حرام و حلال کی قیود' غض بصر کے واضح احکام' اور بنیادی انسانی اور اسلامی اقدار ہوتی ہیں۔ یہ وہ منظرنامہ ہے' جو بیسویں صدی کے نصف آخر میں بہت وضاحت سے سامنے آیا ہے' اور اس وقت کیفیت یہ ہے کہ "نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں"۔ اب اس سلسلے میں "فروغ تجارت" کے لیے "ای-کامرس" کیا ستم ڈھائے گا' اس کے دیکھنے کے لیے ایک عشرہ بہت زیادہ ہے۔

اس میں شک نہیں کہ انٹرنیٹ کے ذریعے معلومات کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر آپ کی انگلیوں کے اشارے پر ہوتے ہیں۔ لیکن میں نے جتنے نوجوانوں' بوڑھوں اور بچوں سے استفسار کیا' یہی پتا چلا کہ ان کا بیشتر استعمال تفریحی مقاصد کے لیے ہی ہے' جس کے لیے surfing اور chatting جیسی اصطلاحات ہی ان کے اصل فنکشن کی چغلی کھاتی ہیں۔ یوں تو فائدے الکحلی مشروبات' شعور کو تبدیل کرنے والی ادویات (mind-altering drugs) اور مسکنات (مثلاً *پیتھیڈین) وغیرہ میں بھی ہیں' مگر جب قرآن نے قطعیت کے ساتھ حکم لگایا کہ:

> لوگ آپ سے خمر (شراب) اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں' کہہ دیجیے کہ ان میں بڑا گناہ ہے' اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں' لیکن ان کا گناہ' ان کے فائدے سے کہیں بڑا ہے
> (البقرہ ۲: ۲۱۹)

تو ہمیں رک کر کچھ سوچنا چاہیے۔ اگرچہ مذکورہ آیت' حرمت منشیات اور جوئے کی حرمت کی قطعی اور آخری آیت نہیں' لیکن اس سے شارع اسلام کا میلان ضرور نظر آتا ہے' جو بالآخر حرمت قطعی پر منتج ہوا۔ اس سے شاید ہم ایک اصول کا استنباط کر سکتے ہیں' کہ ناگزیر حالات میں اگرچہ بعض چیزوں کی اجازت دی جا سکتی ہے' لیکن ان کے استعمال کو اس طرح محدود کرنا ہوگا جیسے الکحل' *پیتھیڈین' مارفین' مسکنات اور بعض صورتوں میں (شاید) قرعہ اندازی کو محدود مقاصد کے لیے کام میں لایا جاتا ہے۔ میرے خیال میں

مذکورہ ادویہ اور ان ہی کے قبیلے کی دوسری ادویہ کے استعمال کو علما' طبی مقاصد کے لیے محدود کرنے کے قائل ہوں گے۔

ٹی وی اور انٹرنیٹ کی "لت پڑ جانے" (addiction) کی خصوصیت سے آج مشرق و مغرب کا شاید ہی کوئی غیر جانب دار صاحب ادراک انکار کرے گا۔ اس کا مداوا شاید اس طرح نہیں ہو سکتا کہ ہم ٹی وی پر اچھے اچھے اسلامی' اصلاحی اور معلوماتی پروگرام زیادہ سے زیادہ پیش کریں' بلکہ غالباً "کوشش" یوں کی جاسکتی ہے کہ ان پروگراموں کے وقت کو محدود کریں۔ دن میں' صبح و شام' دو تین گھنٹے سے زیادہ' ٹی وی آن ایر نہ ہو۔ اور اس میں خبریں' ضروری معلومات ہوں' نیز موسیقی اور ڈراموں کی خرافات کے علاوہ کوئی تفریح ہو' تو پیش کر دی جائے۔ یاد رہے کہ جائز تفریح بھی ۲۴ گھنٹے آپ کی دست رس میں ہو' تو اس کے جواز میں کلام کی بہت گنجایش ہوگی۔

رہے دوسرے ممالک کے چینل اور کیبل نیٹ ورک' انھیں اس طرح مسدود کرنے کی "کوشش" کی جاسکتی ہے' جیسے سبھی ملک منشیات اور ناپسندیدہ اور غیر قانونی اشیا کے اندرون ملک داخل ہونے کو روکنے کی سعی کرتے ہیں' اکثر کامیاب رہتے ہیں' اور کبھی ناکام بھی۔ بہرحال جدید ترقیاتی وسائل ابلاغ کے استعمال زیادہ عمیق غور و فکر کے متقاضی ہیں۔

اسلامی بنک بنگلہ دیش

پروفیسر میاں محمد اکرم ○

دنیا کے ۴۰ ممالک میں ۱۷۶ سے زائد غیر سودی بنک کام کر رہے ہیں۔ جنوبی ایشیا کے ممالک میں ان بنکوں کی تعداد ۵۱' افریقہ میں ۳۵' جنوب مشرقی ایشیا میں ۳۱' مشرق وسطیٰ میں ۲۶' ای سی سی کے ممالک میں ۲۱' یورپ اور امریکہ میں ۹ اور دیگر ایشیائی ممالک میں دو اور آسٹریلیا میں ایک ہے۔ ۱۹۷۲ء میں صرف ایک بنک غیر سودی بنیادوں پر کام کر رہا تھا۔ ان بنکوں کا کل سرمایہ ۷.۳۳۳ ارب ڈالر اور اثاثہ جات کی مالیت ۱۴۷.۶۸۵ ارب ڈالر سے زائد ہے۔ ان بنکوں کے زیر استعمال ۱۱۲.۸۹ ارب ڈالر کے فنڈ ہیں اور ان بنکوں نے سال ۱۹۹۷ء میں ۱.۲۳۸ ارب ڈالر کا منافع کمایا۔

مسلمانوں کی ایک غالب تعداد بالعموم اور اسلامی انقلاب کی تڑپ رکھنے والے بالخصوص ان بنکوں کی کارکردگی اور کامیابی کے بارے میں آگاہی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس ضرورت کو انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد نے محسوس کیا اور اسلام آباد میں ایک سیمی نار منعقد کیا۔ اس سیمی نار کے نتیجے میں زیر مطالعہ کتاب Experiences in Islamic Banking, A Case Study of Islami Bank Bangladesh شائع ہوئی۔ کتاب کا پیش لفظ سربراہ ادارہ پروفیسر خورشید احمد نے لکھا ہے جب کہ Islamization of Finance Sector کے عنوان سے بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد کے نائب صدر ڈاکٹر وقار مسعود خان نے پاکستان میں مالیات کے شعبے میں قیام پاکستان کے بعد نظریاتی حوالے سے اور ۱۹۷۷ء کے بعد عملی حوالے سے ہونے والی کوششوں کا تجزیہ پیش کیا ہے۔

کتاب کا دوسرا حصہ اسلامی بنک بنگلہ دیش کے بارے میں ہے' جس کی تفصیلات اسلامی بنک کاری کے حوالے سے غور و فکر کرنے والے اصحاب اور اس کو عملی شکل میں ڈھالنے کی فکر رکھنے والوں کے لیے چشم کشا اور حوصلہ افزا ہے۔

○ شعبہ معاشیات' گورنمنٹ کالج آف سائنس' لاہور

بنگلہ دیش میں کل ۴۱ بنک ہیں' جن میں ۲۸ مقامی اور ۱۳ غیر ملکی بنک شامل ہیں۔ مقامی بنکوں میں چار اسلامی بنیادوں پر بنک کاری کر رہے ہیں' جو کہ درج ذیل ہیں:

(الف) العرفہ اسلامی بنک لمیٹڈ' (ب) البرکہ اسلامی بنک' بنگلہ دیش لمیٹڈ' (ج) اسلامی بنک بنگلہ دیش' اور (د) سوشل انوسٹمنٹ بنک لمیٹڈ۔ ان کے علاوہ ایک غیر ملکی بنک "فیصل اسلامک بنک آف بحرین" بھی اسلامی بنک کاری کر رہا ہے۔ بنگلہ دیش میں بنکوں کی کل شاخیں (branches) ۵ ہزار ۹ سو ۴۳ ہیں۔ ان میں سے ۱۸۱ شاخیں اسلامی بنکوں کی ہیں جن میں ۳ ہزار ۵ سو ۲۹ افراد ملازمت کر رہے ہیں۔

اسلامی بنک بنگلہ دیش کا قیام ۳۰ مارچ ۱۹۸۳ء کو عمل میں آیا۔ ۵۶ ملین ٹکہ (بنگلہ دیش کی کرنسی) کے ابتدائی سرمائے سے اس بنک کا آغاز کیا گیا۔ یہ رقم ۱۱ اسلامی بنکوں اور اداروں اور ۱۹ مقامی صنعت کاروں نے فراہم کی۔ ۸۷ فی صد سرمایہ بیرونی سرمایہ کاروں نے فراہم کیا' جن میں اسلامک ڈویلپمنٹ بنک جدہ' کویت فنانس ہاؤس' اسلامی بنک اردن' الراجحی کمپنی اور پبلک انسٹی ٹیوشن فار سیکورٹی کویت شامل ہیں۔ بقیہ ۲۱.۶۷ فی صد رقم مقامی لوگوں اور اداروں نے فراہم کی۔ ۲۴ رکنی بورڈ آف ڈائریکٹرز' جن میں ۹ غیر ملکی اور ۱۵ مقامی افراد شامل ہیں' بنک کو چلا رہا ہے' جب کہ ۹ رکنی ایگزیکٹو کمیٹی کے علما' معیشت دان' مالیاتی و قانونی ماہرین پر مشتمل شرعی بورڈ بنک کے کام کی نگرانی کرتے ہیں۔

جون ۱۹۹۹ء تک اسلامی بنک بنگلہ دیش کی شاخوں کی تعداد ۱۱۰ ہو چکی تھی' جب کہ دسمبر ۱۹۹۷ء میں یہ تعداد ۱۰۵ تھی۔ بنک کی ان شاخوں میں ڈیپازٹس کی مالیت ۲۰۴۷۵ ملین ٹکہ (یعنی ۲۰ ارب ۴۷ کروڑ ۵۰ لاکھ ٹکہ) تھی۔ بنک کے اکاؤنٹ ہولڈرز کی تعداد دسمبر ۱۹۹۸ء تک ۷ لاکھ' ۱۱ ہزار ۵ سو ۹۰ (۷۱۱۵۹۰) تھی۔ ان میں ۴ لاکھ ۸۷ ہزار ۳ سو ۵۹ اکاؤنٹ ۵ ہزار ٹکہ یا اس سے کم مالیت کے تھے' جب کہ زیادہ تر رقوم ایک لاکھ اور اڑھائی لاکھ ٹکہ کے درمیان جمع کروائی جاتی ہیں۔ ۱۹۹۸ء میں بنک نے ۱۳۴۳۵ ملین ٹکہ (۱۳ ارب ۴۳ کروڑ ۵۰ لاکھ ٹکہ) کی سرمایہ کاری کی۔ بنک نے سب سے زیادہ سرمایہ کاری صنعت کے شعبے میں کی' جو کہ ۵۲ فی صد کے برابر ہے۔ سرمایہ کاری بیع مرابحہ' بیع مؤجل' شراکت اور ہائر پرچیز کے اصولوں کے مطابق کی گئی (تفصیل کے لیے: ص ۴۶'۴۷ اور ۵۸ تا ۶۱)۔

صنعت کے شعبے میں سب سے زیادہ سرمایہ ریڈی میڈ گارمنٹس میں لگایا گیا' جو کہ ملک کی برآمدات کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ ٹیکس کی ادائیگی سے پہلے (Pre-Tax) بنک کا منافع ۱۹۸۴ء میں ۷.۸۳ ملین ٹکہ تھا جو ۱۹۹۸ء میں بڑھ کر ۱۴۸ ملین ٹکہ ہو گیا (جب کہ ۱۹۹۵ء میں منافع ۳۱۱ ملین ٹکہ تک ریکارڈ کیا گیا)۔ بنک کے حصے داروں کو ۱۹۸۴ء میں ۴.۴۱ فی صد کی شرح سے منافع (dividend) دیا گیا تھا' جب کہ ۱۹۹۸ء میں یہ شرح ۲۱ فی صد ہو گئی۔ ایکویٹی پر منافع کی شرح ۹.۷۸ فی صد رہی جو کہ بنگلہ دیش کے دوسرے تمام بنکوں سے زیادہ ہے۔

اسلامی بنک بنگلہ دیش جو کہ دوسرے بنکوں کے مقابلے میں ابھی چھوٹا بنک ہے، اس کے باوجود ملک کی بیرونی تجارت کا ۱۰ فی صد اس بنک کے ذریعے ہو رہا ہے۔ ملک کے ۴۱ بنکوں میں سے فارن ایکسچینج کی تجارت کے حوالے سے اسلامی بنک کا نمبر چوتھا اور پرائیویٹ بنکوں میں پہلا ہے۔

اسلامی بنک معاشرے کے غریب اور نادار افراد کے سماجی و معاشی مرتبہ کی بلندی اور ان کے حالات کار بہتر بنانے کے لیے ہر سال اوسطاً ۲۰ ملین تکہ خرچ کرتا ہے (ص ۶۱ تا ۶۴)۔ بنک نے ۱۹۸۴ء تا ۱۹۹۸ء قومی خزانہ میں ٹیکس کی مد میں ۸۵۰ ملین تکہ جمع کروایا ہے جو کہ دوسرے تمام بنکوں سے زیادہ ہے۔

اسلامی بنک بنگلہ دیش شرعی لحاظ سے کاروبار کے جائز طریقوں پر عمل پیرا ہو کر کام کر رہا ہے۔ اس کا پورا کاروبار غیر سودی ہے۔ اس پورے طریق کار پر شرعی بورڈ کڑی نظر رکھتا ہے۔ بورڈ کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر وہ کسی طریق کار کو غلط محسوس کرے تو بنک کو فوری طور پر اس سے روک دے۔

یہی وجہ ہے کہ بنک نہ صرف عام لوگوں، بلکہ ملک کے طبقہ امرا کے لیے بھی پُرکشش ثابت ہوا ہے اور صنعت کاروں اور کاروباری لوگوں کی توجہ کا مرکز بھی بنا ہے۔ بنک نے اس خیال کو بھی خام ثابت کر دیا ہے کہ غیر سودی بنک کاری قابل عمل نہیں ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ بنگلہ دیش کے بنکوں میں ڈیپازٹس میں اضافے کی سالانہ شرح ۱۳ فی صد ہے، جب کہ اسلامی بنک کی شرح اضافہ ۲۲ فی صد ہے۔ ۱۹۹۴ء تا ۱۹۹۸ء کے پانچ سالوں میں اسلامی بنک کے ڈیپازٹ دگنا ہو چکے ہیں۔ ان ڈیپازٹس میں سب سے زیادہ رقوم مضاربہ سیونگ اکاؤنٹ میں جمع کروائی گئیں۔

بنک اپنے اکاؤنٹ ہولڈرز کو جو منافع دیتا ہے وہ دوسرے تمام بنکوں کے مقابلے میں بعض اوقات ان کے مساوی اور اکثر اوقات ان سے زیادہ ہوتا ہے۔ بنک کی گئی سرمایہ کاری پر حاصل ہونے والے منافع کے ۳۵ فی صد ریزرو رکھ کر بقیہ ۶۵ فی صد اپنے ڈیپازٹرز میں تقسیم کر دیتا ہے (ص ۵۱)۔

کتاب کے آخر میں مختلف ضمیمے ہیں، جن میں بنگلہ دیش کے بنکنگ سیکٹر کا ڈھانچہ (ص ۷۵-۷۶)، بنک کمپنیز ایکٹ (ص ۷۷)، بنک کے اسپانسرز کی لسٹ (ص ۷۸-۷۹) شریعہ کونسل کے ممبر (ص ۸۰)، بورڈ آف ڈائریکٹرز کے ممبران (ص ۸۱)، بنک سے متعلقہ اہم نکات (ص ۸۲)، بنک کے مضاربہ ڈیپازٹس پر نفع کی تقسیم کے اصول (ص ۸۳ تا ۸۶) اور فہرست کتب (ص ۸۸-۸۹) دی گئی ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ پاکستان کے وہ اہل ثروت جو دین کی تڑپ رکھتے ہیں اور اسلامی نظام کو اپنی عملی زندگی میں جاری و ساری دیکھنا چاہتے ہیں، آگے بڑھیں۔ بنگلہ دیش کے اسلامی بنک اور دوسرے اسلامی بنکوں کا مطالعہ کروائیں اور پاکستان میں اس کام کا آغاز کریں۔ یوں دنیا پر یہ بات ثابت کریں کہ اسلام کے اصول اٹل ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اگر ایک چیز کو حرام قرار دیا ہے تو اس کا متبادل بھی عطا فرمایا ہے۔ کمی صرف عزم صمیم اور عمل کی ہے۔

اخبار امت

اراکان: جدوجہد کا پس منظر

امجد عباسی

اراکان (برما) خلیج بنگال کے مغرب میں واقع وہ خطہ ہے جہاں مسلمانوں نے صدیوں حکومت کی اور اب انتہائی کس مپرسی کی حالت میں غلامانہ زندگی بسر کرنے پر مجبور ہیں۔ برما کی فوجی حکومت نے ظلم و ستم کی انتہا کر دی ہے اور بڑی تعداد میں مسلمان بنگلہ دیش ہجرت پر مجبور ہیں۔ مگر عالم اسلام کی بے خبری اور بے حسی کا یہ عالم ہے کہ اراکان کا خبروں کی حد تک بھی وہ تذکرہ نہیں ہوتا جو ہونا چاہیے۔

پیرس میں انسانی حقوق کی تنظیموں کی یونین نے' جس میں ۶۴ تنظیمیں باقاعدہ شامل ہیں اور ۴۱ کا الحاق ہے' اپنی رپورٹ میں برما کی فوجی حکومت پر الزام لگایا ہے کہ وہ مسلم اقلیت پر ظلم ڈھا رہی ہے اور نسل کشی میں مصروف ہے۔ اس ظالمانہ پالیسی کے نتیجے میں ایک لاکھ سے زائد مسلمان بنگلہ دیش میں پناہ گزین ہیں اور بڑی تعداد میں مسلمان اپنے گھر چھوڑ کر جنگلوں میں رہنے پر مجبور ہیں۔ انسانی حقوق کی یونین کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کے خلاف امتیازی اور متعصبانہ سرگرمیاں منظم طریقے سے جاری ہیں۔ ان سے جبری بیگار لی جاتی ہے اور ملک کے اندر ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے پر پابندی ہے۔ خواتین کی عصمت دری ایک معمول بن چکی ہے۔

شمالی اراکان کی سرحدی انتظامیہ نے اپنے ۳۱ مئی ۲۰۰۰ء کے اجلاس میں ایک فیصلہ کیا ہے جس کے تحت مسلمانوں کو عارضی شناختی کارڈ کے ساتھ ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جانے کی اجازت نہ ہوگی بلکہ انھیں خصوصی سفری پاس حاصل کرنا ہوگا' جب کہ ۱۹۸۲ء کے شہری ایکٹ کے تحت شمالی اراکان کے مسلمانوں کو پہلے ہی "بے ریاست افراد" قرار دیا جا چکا ہے۔ عملاً صورت حال یہ ہے کہ اس "پاس" کے حصول کے لیے کم از کم ایک ہزار کیات (برما کی کرنسی) بطور رشوت ادا کرنا ہوتے ہیں جو کہ ایک بڑی رقم ہے۔ دوسری صورت میں مسلمانوں کو سخت مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

ایک سرکردہ عالمی انسانی حقوق کی تنظیم "FIDH" نے اقوام متحدہ کے ادارے UNHCR پر الزام لگایا ہے کہ وہ برما کی حکومت کا آلہ کار بنا ہوا ہے۔ ان کی معلومات کے مطابق برمی حکومت اراکان کو مسلم آبادی سے خالی کرنے پر تلی ہوئی ہے مگر UNHCR مسلمانوں کی ہجرت کو معاشی مسائل کی بنا پر "معاشی ہجرت" قرار دیتا ہے۔ FIDH کا کہنا ہے کہ درحقیقت یہ ہجرت برمی حکومت کی تشدد' ظالمانہ اور مسلمانوں کے خلاف امتیازی سلوک کی بنا پر ہو رہی ہے۔ مسلمان جان بچانے کی خاطر سرحد پار کر کے ہجرت کرتے ہیں مگر اقوام متحدہ کا یہ ذیلی ادارہ انھیں واپسی پر مجبور کرتا ہے۔ اس سب کے باوجود حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہزاروں مسلمان ہجرت پر مجبور ہیں۔

تاریخی پس منظر

اراکان کے شمال مغرب میں بنگلہ دیش اور مشرق میں برما ہے۔ اس کی آبادی ۴۰ لاکھ اور رقبہ ۵۱ ہزار ۸ سو مربع کلومیٹر ہے۔ ۸۰ فی صد مسلمان ہیں' جب کہ دیگر اقلیتوں میں بودھ نمایاں ہیں اور ایک قلیل تعداد میں ہندو اور عیسائی بھی آباد ہیں۔ یہ برما کا ۱۴ واں صوبہ اور مغربی ریاست ہے۔ یہ خطہ زراعت' قیمتی معدنیات' چاول اور مچھلی کی پیداوار کے لحاظ سے معروف اور ایک اہم بندرگاہ ہے۔ مجموعی طور پر برما میں مسلمان ۱۵ سے ۱۸ فی صد تک ہیں۔ اراکان' روہنگیا مسلمانوں کا اکثریتی علاقہ ہے۔ اراکان کا برما سے براہ راست زمینی رابطہ نہیں۔ مشرق میں کوہ ہمالیہ کا سلسلہ "اراکان یوما" کی بلند چوٹیاں اسے مکمل طور پر جدا کرتی ہیں۔ بنگلہ دیش کے ساتھ اس کی ۱۷۶ میل لمبی طویل آبی اور زمینی سرحد ملتی ہے۔

اراکان کے مسلمان "روہنگیا" کہلاتے ہیں۔ یہ لفظ اراکان کے قدیم نام "روہنگ" سے ماخوذ ہے۔ عرب ظہور اسلام سے قبل ہی "خطہ روہنگ" سے بہ خوبی واقف تھے۔ مشہور مؤرخ آر بی سمارٹ کے مطابق: اراکان کے جنوب میں "رحمبری" کی بندرگاہ ابتدائی زمانے کے عرب جہاز رانوں کے لیے ایک مانوس نام تھا۔ عرب اس خطے میں آٹھویں صدی عیسوی میں پہلی مرتبہ پہنچے۔ عرب تاجروں کے ذریعے یہاں اسلام پہنچا۔ ۱۳ ویں صدی عیسوی تک آسام سے ملایا تک جگہ جگہ مسجدیں وجود میں آگئی تھیں۔ سلیمان شاہ نے گورنر بنگال ناصرالدین شاہ کی مدد سے مسلم مملکت اراکان ۱۴۳۰ء میں قائم کی۔ یہ اراکان کا بودھ راجا تھا جو مسلمان ہو گیا تھا۔ اس طرح مروکو شاہی سلسلے کی بنیاد رکھی گئی۔ ۴۸ مسلمان حکمرانوں نے یہاں ساڑھے تین سو سال حکومت کی۔ مسلمانوں اور مگھ بودھ کش مکش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے برمی راجا بودوھپیہ نے اراکان پر ۱۷۸۴ء میں قبضہ کر لیا۔ ۱۸۸۵ء میں برطانیہ نے برما پر قبضہ کر کے اسے برعظیم میں شامل کر لیا۔ جنگ عظیم دوم میں جاپان نے برما پر قبضہ کر لیا۔ ۱۹۴۲ء بودھوں کی متعصب جماعت "تھاکن" نے اوچو کھائیں کی قیادت میں ایک لاکھ مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جب کہ پانچ لاکھ

مسلمان بے گھر ہو گئے اور بڑی تعداد میں دریائے ناف عبور کر کے موجودہ بنگلہ دیش ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ تاریخ اراکان میں مسلم کشی کا یہ ایک بڑا سانحہ تھا۔ ۱۰ مئی ۱۹۴۲ء کو برتھی، ڈونگ اور موگڈو کے علاقے میں مسلمان نے مزاحمت کر کے اپنی حکومت قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ ای ڈی ایس مارکن نامی زمین دار کو خلیفہ بنایا گیا، مجلس شوریٰ قائم کر دی گئی اور ایک ملیشیا بھی تیار کی گئی۔ بعد میں انگریزی افواج نے یہاں قبضہ کر لیا۔ یہ اراکان کی آزادی کی ایک کوشش تھی۔ اسی بنا پر اراکانی مسلمان فخر سے کہتے ہیں کہ سب سے پہلے پاکستان کا قیام ہم عمل میں لائے تھے!

آزادی کے بعد مسائل

۱۹۴۸ء میں برما آزاد ہو گیا۔ اس سے قبل ۱۹۴۷ء میں پنیلونگ کے مقام پر ایک قومی کانفرنس میں آزاد وفاقی برما پر عمومی اتفاق رائے اس بنیاد پر حاصل کیا گیا تھا کہ ۱۰ سال گزرنے کے بعد وفاق میں شامل ریاستوں کو علیحدگی حاصل کرنے کا حق حاصل ہو گا۔ اسی "معاہدہ پنیلونگ" کے تحت ۱۹۴۷ء میں آئین ساز اسمبلی کے انتخابات بھی کرائے گئے مگر اراکانی مسلمانوں کو حق رائے دہی سے جبراً محروم رکھا گیا۔ آزادی کے بعد سے ہی مسلمانوں پر ظلم و ستم کا سلسلہ شروع کر دیا گیا اور ۳۰ ہزار مسلمان مشرقی پاکستان (موجود بنگلہ دیش) میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے۔ ۱۹۵۳ء میں اونو نے وزیراعظم بننے پر مساوی حقوق کا وعدہ کیا لیکن شہریوں کی رجسٹریشن کے بہانے مسلمانوں کو شہریت کے حق سے ہی محروم کر دیا گیا۔

۱۹۵۶ء میں ۳۰ ہزار مسلمانوں کو جبراً برما سے نکال دیا گیا۔ آئے دن کے مظالم سے تنگ آکر روہنگیا مسلمانوں نے "مجاہد تحریک" کا آغاز کیا اور شمالی ارکان کا ۸۰ فی صد علاقہ خالی کروا لیا۔ اس تحریک کا قائد قاسم نامی ماہی گیر تھا۔ اس تحریک کا مقصد پاکستان سے الحاق تھا مگر حکومت پاکستان کی عدم دل چسپی پر یہ تحریک ختم ہو گئی۔ ۱۹۵۸ء میں مسلمانوں کی بڑی تعداد ایک بار پھر مشرقی پاکستان ہجرت کے لیے مجبور ہو گئی۔

۱۹۶۰ء میں صدر پاکستان ایوب خان کے دورہ برما کے بعد ایک معاہدے کے تحت مہاجرین کی واپسی ہوئی۔

۱۹۶۲ء میں جنرل نی ون نے مارشل لا نافذ کر کے اشتراکی نظام کے نفاذ کی کوشش کی۔ اس دوران حج اور قربانی پر پابندی عائد کر دی گئی۔ قرآن اور اسلامی لٹریچر کی اشاعت ممنوع ٹھیری۔ نماز پڑھنا ایک جرم بن گیا اور نصاب تعلیم سے اسلامی تعلیمات خارج کر دی گئیں۔ اُردو پر پابندی عائد کر دی گئی اور تمام اُردو اخبارات و جرائد بند کر دیے گئے۔ نیشنل رجسٹریشن سرٹیفکیٹ کے نام پر خواتین کو نصف بدن کھلوا کر تصاویر اتروانے پر مجبور کیا جاتا کہ یہ شناخت کے لیے ضروری ہے۔ ۱۹۷۸ء میں "آپریشن ناگامن" کی آڑ میں ایک لاکھ مسلمانوں کو قتل کر دیا گیا اور مسلمان ایک بار پھر بنگلہ دیش ہجرت پر مجبور ہوئے۔ ۹ جولائی ۱۹۷۸ء کو ایک معاہدے کے تحت مہاجرین کے واپسی شروع ہوئی مگر انھیں طرح طرح سے اذیتیں دی

گئیں۔ ۱۹۸۲ء میں ایک بار پھر قانون شہریت منظور کیا گیا جس میں اراکانی مسلمانوں کو شہریت سے محروم کر دیا گیا۔ انھیں غیر ملکی باشندے قرار دے دیا گیا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لیے "اجازت نامہ" کا پابند بنایا گیا۔ ۱۹۸۸ء میں فوج نے مارشل لا لگا کر اقتدار پر قبضہ کر لیا اور اس وقت سے اب تک یہی فوجی آمریت برما پر مسلط ہے۔

انسانی حقوق کی صورت حال

برما فوجی آمریت کے شکنجے میں جکڑا ہوا ہے۔ بنیادی انسانی حقوق بری طرح پامال کیے جا رہے ہیں۔ تمام جمہوری آزادیوں پر پابندی عائد ہے۔ سیاسی رہنماؤں اور جماعتوں پر ناروا پابندیاں ہیں۔ ملکی معیشت ابتری کا شکار ہے۔ برما کی معروف رہنما آنگ سین سوکائی جنھیں پُرامن جدوجہد برائے بحالی جمہوریت کی بنا پر نوبل انعام کا مستحق ٹھیرایا گیا' پانچ برس سے نظربند ہیں۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل اور دیگر انسانی حقوق کی تنظیمیں مختلف رپورٹوں میں ابتر حالات کی نشان دہی کر چکی ہیں۔ انسانی حقوق کی ان خلاف ورزیوں پر یورپ اور امریکہ کی طرف سے برما پر اقتصادی پابندیاں عائد کرنے کی کوشش بھی کی گئی مگر چین اور جاپان اپنے مفادات کے پیش نظر انھیں غیر موثر بنانے کے لیے برما سے تعاون کر رہے ہیں۔ مجموعی طور پر برما کی ابتر صورت حال کا اسی بات سے ہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بڑی تعداد میں لوگ بنگلہ دیش اور تھائی لینڈ ہجرت پر مجبور ہیں۔ سردست حکومت اپنی روش میں کسی قسم کی تبدیلی کے لیے بظاہر آمادہ نظر نہیں آتی۔

اس تمام تر صورت حال میں مسلمانوں کی حالت کچھ زیادہ ہی تشویش ناک ہے۔ حکومت برما مسلمانوں کی نسل کشی پر تلی بیٹھی ہے اور کوئی موقع جانے نہیں دیتی۔ مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت محفوظ نہیں۔ تعلیم' صحت اور روزگار جیسی بنیادی سہولتوں سے محروم ہیں بلکہ ناروا پابندیوں اور ٹیکس کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں۔ علاج کی سہولت سے محرومی کے بعد ہر قسم کے مرض کے لیے دم اور تعویذوں پر انحصار کے لیے مجبور ہیں۔ تعلیمی ادارے قائم کرنے کی اجازت نہیں اس لیے صرف دینی مدارس ہی ذریعہ تعلیم ہیں۔ اگر ملازمتیں حاصل ہیں تو نچلے درجے کی برائے نام ملازمتیں ہیں۔ زرعی زمینوں پر حکومت نے قبضہ کر لیا ہے اور مالکان زمین مزارعوں کی طرح کام کرنے پر مجبور ہیں۔ ماہی گیری پر بھاری ٹیکس عائد ہیں۔ مسلمان شہریت جیسے بنیادی حق سے محروم ہیں اور خانہ تلاشیاں' بلاجواز گرفتاریاں' بلامعاوضہ جبری بیگار' خواتین کی بے عزتی اور عصمت دری' مساجد اور علما کی توہین' نقل و حرکت کے لیے سفری اجازت نامہ کی پابندی اور جان و مال کا خطرہ جیسے مسائل سے دوچار ہیں۔ اس پر ظلم یہ کہ برما حکومت کسی غیر ملکی کو اراکان میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دیتی۔ آج بھی بڑی تعداد میں مسلمان بنگلہ دیش میں اور اراکان کے جنگلوں میں مہاجرین کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔

بنگلہ دیش نے معاشی مسائل اور دیگر وجوہات کی بنا پر اپنی سرحدیں اراکانی مسلمانوں پر بند کر رکھی ہیں۔ اگر وہ برما کی سرحدی فورس (ناساکا) کے مظالم سہتے ہوئے کسی طرح سرحد پر پہنچتے ہیں تو انھیں ملک میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ واپسی کا مطلب موت یا مصائب اور اذیتیں ہیں۔ جو مہاجرین اس وقت بنگلہ دیش میں مہاجر کیمپوں میں اقوام متحدہ کے زیرانتظام قیام پذیر ہیں' ان کی حالت بھی قابل رحم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سماجی خدمت کی آڑ میں مختلف مشنری تنظیمیں مسلمانوں کو گمراہ کرنے اور عیسائیت کے چنگل میں پھانسنے کے لیے بھی سرگرم عمل ہیں۔

اراکانی مسلمانوں کا عزم

ان دگرگوں حالات میں اراکانی مسلمان اپنی جدوجہد آزادی کو جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس وقت دو بڑی تنظیمیں نمایاں ہیں: ایک روہنگیا سالڈیریٹی آرگنائزیشن (RSO) اور دوسری حرکۃ الجہاد الاسلامی اراکان ہے۔ آر ایس او کے سربراہ ڈاکٹر محمد یونس ہیں۔ ان کا ترجمان ماہنامہ انصاف ہے جب کہ حرکۃ الجہاد الاسلامی کے سربراہ مولانا عبدالقدوس مجاہد ہیں اور ان کا ترجمان ماہنامہ الرباط ہے۔ یہ تنظیمیں دعوت دین اور سماجی و رفاحی خدمت کی بنیاد پر کام کر رہی ہیں۔ آر ایس او نے حکومت کے بدترین مظالم اور مسلمانوں کی نسل کشی کو دیکھتے ہوئے آخری چارہ کار کے طور پر ۲ اپریل ۱۹۹۴ء سے مونگڈو میں گوریلا کارروائی کے تحت دھماکوں سے مسلح جہاد کا آغاز بھی کر دیا ہے۔ اراکان کی پہاڑیوں اور جنگلوں میں ان کے تربیتی کیمپ ہیں جہاں باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے۔ اراکانی مجاہدین بہت سے معرکوں میں حکومت کو بھاری نقصان بھی پہنچا چکے ہیں۔ گو یہ سلسلہ ایک تواتر سے جاری ہے مگر بے سروسامانی کے عالم میں جاری اس جہاد سے کوئی بڑی توقع باندھنا قبل از وقت ہے۔

اراکان کے مسلمان جس طرح سے اپنی جدوجہد آزادی کو ایک مدت سے جاری رکھے ہوئے ہیں' یہ جہاں ان کے عزم و حوصلہ اور استقامت کا منہ بولتا ثبوت اور قابل ستایش ہے وہاں امت مسلمہ کے لیے بھی اس میں ایک سبق پوشیدہ ہے۔ اسلام دراصل ایک تحریک ہے۔ مسلمان دیگر قوموں کی طرح محض ایک نسلی قوم نہیں ہیں بلکہ انھیں دنیا میں اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنے کا مشن سونپا گیا ہے۔ مسلمانوں کے زوال کا بنیادی سبب ہی یہ ہے کہ انھوں نے اس حقیقت کو فراموش کر دیا۔ اگر اراکان کے مسلم حکمران صحیح معنوں میں اللہ کی بندگی کرتے' اپنے اخلاق و کردار سے گردونواح کے لوگوں کا دل موہ لیتے اور اپنی طاقت کو اللہ کی حاکمیت کے قیام کے لیے استعمال کرتے تو آج گردونواح کا پورا خطہ مسلمانوں پر مشتمل ہوتا۔ یہی غلطی ہندستان کے مسلم حکمرانوں نے بھی کی تھی۔ اب یہ احساس اراکانی مسلمانوں میں جڑ پکڑنے لگا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اراکان کی جدوجہد آزادی کے ساتھ ساتھ برما میں بنیادی حقوق اور

جمہوریت کی بحالی کے لیے پُرامن مشترکہ جدوجہد کی جائے۔ جمہوری آزادی کے نتیجے میں جہاں برما کے مظلوم عوام کو آزادی مل سکتی ہے وہاں اراکان کی آزادی کی منزل بھی قریب آ سکتی ہے۔ (ماخذ: اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی' محمد الیاس انصاری' حرا پبلی کیشنز' اردو بازار' لاہور۔ عصر حاضر کی جہادی تحریکیں' پروفیسر محمد شفیق ملک' نوید سحر پبلی کیشنز' ۴۲- چیمبرلین روڈ' لاہور۔ Rohingya Struggle' الحاج محمد علی' شارجہ' عرب امارات۔ ہم کہاں پڑے ہیں؟ سیف اللہ خالد' اتحاد الطلاب المسلمین' اراکان۔ ماہنامہ انصاف' کراچی۔ ماہنامہ الرباط' کراچی۔ ماہنامہ بیدار ڈائجسٹ' لاہور)۔

وسط ایشیا: تین ملکوں میں بحرانی کیفیت

مسلم سجاد

برسلز میں قائم انٹرنیشنل کرائسس گروپ (ICG) نے ابھی اگست میں ایک مطالعہ وسط ایشیا: تین ریاستوں میں بحرانی کیفیات شائع کیا ہے جو حیرت انگیز طور پر خاصا غیر جانب دارانہ ہے۔ یہ گروپ تحقیق و تجزیے کا ایک نجی آزاد ادارہ ہے جس کا مقصد دنیا میں ان امکانی مقامات کا تعین کرنا ہے جہاں بحران پھوٹ پڑنے کے قوی اندیشے ہوں۔ اس ادارے کو بعض افراد' اداروں' مغربی حکومتوں اور جاپان کی پشت پناہی حاصل ہے۔ اس مطالعے میں بتایا گیا ہے کہ وسط ایشیا کی تین ریاستیں تشویش ناک حالات سے گزر رہی ہیں۔

۱۹۹۱ء میں سوویت روس کی پانچ سابق مسلم جمہوریاؤں کی رسمی آزادی یہاں کے عوام کے لیے بالعموم ناامیدی اور مایوسی کا سبب بن رہی ہے۔ وہ بالعموم روس کے ظالمانہ استحصال کے دور سے بھی بدتر حالات میں زندگی گزار رہے ہیں۔ درحقیقت وہی طبقہ جو پہلے ماسکو کی طرف سے اقتدار پر متمکن تھا' اب بھی کسی نہ کسی تدبیر سے اقتدار سے چمٹے ہوئے ہے' بلکہ انھوں نے اپنی مراعات اور کروفر میں اضافہ کر لیا ہے اور عوام آزادی کی حقیقی نعمتوں سے محروم ہی ہیں۔

سابقہ نظام' جس میں مذہب اور روایات سے وابستہ مسلم عوام پر ایک اجنبی کلچر جبرو استبداد سے مسلط کیا جاتا تھا' نئے عنوان سے آج بھی قائم ہے۔ عوام احتجاج کرتے ہیں' سول نافرمانی کرتے ہیں' پُرتشدد مزاحمت کرتے ہیں اور ریاستی ظلم و جبر کا شکار ہوتے ہیں۔ ظالم حکمران اور ان کے بیرونی پشت پناہ وسط ایشیا کی خطرناک اور غیراطمینان بخش صورت حال کا سبب اسلامی بنیاد پرستی کو قرار دیتے ہیں۔

آئی سی جی کا یہ جائزہ خود علاقے میں جا کر حالات کا مطالعہ کر کے تیار کیا گیا ہے۔ اس میں حقائق کو پیش

نظر رکھ کر تجزیہ کیا گیا ہے۔

تاجکستان (آبادی' ۶۰ لاکھ) میں ۱۹۹۷ء میں روس کے حمایت یافتہ صدر رحمانوف کی حکومت اور متحدہ تاجک حزب اختلاف کے درمیان جس معاہدہ امن کی بنیاد پر خانہ جنگی کا سلسلہ رکا تھا' وہ حکومت کی جانب سے اقتدار میں شرکت کی اپنی یقین دہانیوں سے پیچھے ہٹنے کے سبب خطرے میں ہے۔ سیاسی قتل زیادہ ہو رہے ہیں اور لاقانونیت کی کیفیت ہے۔

کرغیزستان (آبادی' ۴۰ لاکھ) میں نصف سے زیادہ لوگ قحط و افلاس سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں۔ ۲۰ فی صد تو سخت فقروفاقہ کا شکار ہیں۔ اگست ۱۹۹۹ء میں تاجکستان کے بعض گروپوں کی جانب سے مسلح دراندازی اور اس کے بعد ازبکستان کی جانب سے ایک ٹارگٹ پر فضائی حملے کے بعد' ملک میں عدم تحفظ کی کیفیت ہے۔

ازبکستان ڈھائی کروڑ آبادی کا بڑا ملک ہے' وسائل سے مالا مال ہے' لیکن دگرگوں معاشی اور معاشرتی صورت حال سے گزر رہا ہے۔ قدرتی وسائل سے مالا مال ہونا آنے والے معاشی بحران سے نہیں بچا سکتا جب تک کہ نظام میں اصلاحات نہ کی جائیں اور اس کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ آئی سی جی کے الفاظ میں "دہشت گردی کے بعض واقعات اور زیرزمین اسلامی حزب اختلاف کے خلاف حکومت کے ظالمانہ اور سفاکانہ ردعمل نے بے اطمینانی کے بڑھتے ہوئے احساس کو مزید سنگین کر دیا ہے"۔

تینوں ریاستوں کے درمیان واقع وادی فرغانہ بحران کا مرکز بن سکتی ہے۔ اس علاقے کے لوگوں کا معیار زندگی بہت پست ہے اور مزید پست ہوتا جا رہا ہے۔ سرحدی تنازعات اور نسلی اختلافات نے بین الاقوامی تنازعات کے لیے مواقع فراہم کر دیے ہیں۔

اس رپورٹ کے مطابق "افغانستان منشیات اور بندوقوں کے سرچشمے کی حیثیت سے تینوں ملکوں کے بحران کے لیے خطرے کی علامت ہے"۔ لیکن گروپ کو یقین ہے کہ طالبان کے عروج کو وسط ایشیا کے لیے خطرہ سمجھنا "مبالغہ آمیزی" ہے۔ زیادہ سنگین خطرہ اس پُرتشدد ردعمل سے ہے جو جائز سیاسی معاملات کے لیے اٹھنے والی اسلامی سیاسی تحریکوں کو دبانے کے لیے ریاستی طاقت کے استعمال کے خلاف ہوتا ہے۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ "سوویت طاقت کے زوال کے بعد وسط ایشیا کے عوام کی روز مرہ زندگی میں اسلام کے مرکزی کردار میں آہستہ آہستہ اضافے کا عمل ہوا ہے"۔ مطالعے کے مطابق "اس کا امکان ہے کہ یہ رجحان جاری رہے گا اور مزید مضبوط ہو گا"۔ حاصل مطالعہ یہ ہے:

اگر وسط ایشیا کی حکومتیں اسلامی انتہا پسندی سے فی الواقع خوف زدہ ہیں تو انھیں "بغیر اجازت" (unauthorised) اسلامی سرگرمیوں کے سلسلے میں اپنا نقطۂ نظر بدلنے کی ضرورت ہے۔ انھیں یہ

تسلیم کرنا چاہیے کہ اسلام ایک ابھرتی ہوئی اجتماعی طاقت ہے جو بیشتر بے ضرر ہے لیکن اگر حکومت کے خلاف لوگوں کا غم و غصہ بڑھتا رہا' تو یہ ریاست کی طاقت کا مقابلہ کرنے کے لیے زیادہ موثر انداز سے متحرک کی جائے گی۔ وسط ایشیا میں اسلامی تصورات اور تنظیمیں سیاست پر کیا اثرات ڈالیں گی' اس کا انحصار اس پر زیادہ ہے کہ حکومتیں کس نوعیت کی معاشی اور معاشرتی پالیسیاں اختیار کریں گی بہ نسبت اس کے کہ ایک مذہب کی حیثیت سے اسلام کی کیا خصوصیات ہیں یا اسلام کے کیا عقائد ہوتے ہیں۔

مغرب کے زیر اثر مجالس دانش (think tanks) کی جانب سے یہی موقف اختیار کیا جاتا ہے کہ اگر تیسری دنیا کے مسلم ممالک میں اچھا طرز حکمرانی ہو' درست معاشی پالیسیاں اختیار کی جائیں تو اسلامی تحریکوں کو پنپنے کے لیے حالات سازگار نہیں ملیں گے۔ ان کی بدقسمتی یہ ہے کہ ان ممالک کو مغرب کے سندیافتہ جو سیکولر حکمران میسر آئے انھوں نے لوٹ کھسوٹ اور ظلم و ستم کے ریکارڈ قائم کیے۔ یہ اہل دانش اس حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے' یا نہیں کرتے کہ مسلم ممالک کے عوام کی اصل تمنا اپنے اپنے ملک میں قرآن و سنت کی حکمرانی ہے۔ صرف اسی نظام سے ان کو اخلاقی و معاشی' اعلیٰ معیار زندگی ملے گا۔ آزادی کی تحریکیں اس نصب العین کے لیے چلائی گئیں' اور آج جو تحریکیں برپا ہیں وہ بھی اسی لیے ہیں۔ مسلمان عوام کی آزادی کو مغرب کے ایجنٹوں نے اغوا کرلیا ہے۔ مغرب اس حقیقت کو سمجھ لے' حقیقی نمایندوں کا ساتھ دے' جمہوریت کا دیانت داری سے پشت پناہ بن جائے' اسلامی تحریکوں پر دہشت گردی کا الزام رکھ کر انھیں کچلنے میں نہ لگے' تو عالم انسانیت کو پرسکون زندگی میسر آسکتی ہے (ماخوذ: ماہنامہ امپیکٹ لندن' ستمبر ۲۰۰۰ء)۔

اجتماع عام 2000 کے موقع پر

سمع و بصر

پیش کرتا ہے

☆ خرم مراد کے دل نشین لب ولہجہ میں پہلی مرتبہ سی ڈی پر سورة الفاتحہ سورة البقرہ کی آخری آیات' آیۃ الکرسی اور سورة والشمس سے والناس تک ۲۴ سورتوں کے درس------- ۲۰ سی ڈی کا خوب صورت پیک

☆ **بولتا رسالہ** بچوں کے لیے افتخار کھوکھر اور احمد حاطب کی کاوش کا بولتا ثبوت۔ اس کے علاوہ کہانیوں' لطائف' چٹکلوں' پہیلیوں پر مشتمل ۲۵ مختلف کیسٹ

☆ **انگریزی میں 14 کھانیاں**۔ تحریر خرم مراد ' آواز: ضیا محی الدین

☆ **سدابھار اردو کیلنڈر**' ہر روز نئی نصیحت' آیت یا حدیث۔ قیمت: ۶۰ روپے

☆ **حرمین انگلش کیلنڈر**' ہر روز نئی نصیحت' ہر روز حرم کا مختلف منظر۔ قیمت: ۷۰ روپے

☆ **جھادی و انقلابی ترانے**۔سلیم ناز بریلوی' افضال صدیقی' حافظ لئیق اور مقصود شہید کی آوازوں میں

☆ مختلف معروف قاریوں کی آواز میں **تلاوت قرآن** کے مکمل کیسٹ

اس کے علاوہ:

سید مودودی' قاضی حسین احمد' خرم مراد' حافظ محمد ادریس' اسلم صدیقی اور قاری اشرف ہاشمی کے درس اور تقاریر

سمع و بصر

۹-علی ہائٹس' کریم بلاک' اقبال بازار لاہور- فون: ۵۴۱۱۵۴۶ (۰۴۲)

رسائل و مسائل

جماعت اسلامی کی پالیسی: چند خدشات

سوال: جماعت اسلامی سے میری ۴۰ سال سے وابستگی ہے۔ مولانا مودودیؒ کی تحریروں نے مذہب کی حقیقت اور زندگی کے نشیب و فراز سے آگہی دی۔ سرکاری ملازمت میں اسی سبب نشانہ بنا رہا' مگر اب جماعت اسلامی کی پالیسی سے چند خدشات پیدا ہو رہے ہیں جس سے پریشانی کا سامنا ہے۔

مولانا مودودیؒ نے تمام عمر اصولوں کی بالادستی اور قانون کا احترام کرتے ہوئے جماعت اسلامی کی فکری و عملی رہنمائی فرمائی اور انتہائی پریشان کن حالات میں بھی قانون شکنی سے احتراز کیا۔ مگر اب جماعت اسلامی کے رہنماؤں کے بیانات سے قانون شکنی کی ترغیب دینے اور محض تنقید برائے تنقید کا تاثر ملتا ہے۔ سیاست دانوں نے ملک کا اس بے دردی سے استحصال کیا ہے کہ بالآخر فوج کو اقتدار سنبھالنا پڑا۔ ان حالات میں قاضی حسین احمد صاحب کی فوجی حکمرانوں پر کڑی تنقید اور احتساب کے عمل کو ناقابل اطمینان قرار دینا غیر منطقی بات لگتی ہے۔ پھر حکومت پر مختلف حوالوں سے دباؤ بڑھانے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ تاجروں کی ہڑتال کے موقع پر' جب کہ کروڑوں کا نقصان ہوا اور عوام بدحال ہو گئے' ایسے میں تاجروں کی ہمنوائی میں بیان دینا اور ٹیکس سروے فارم کی تقسیم کو بے موقع قرار دینا محض تاجروں کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش تھی اور انھیں محاذ آرائی پر ڈٹے رہنے کے لیے شہ دینے کے مترادف تھا۔

جماعت اسلامی کا ہمیشہ یہ موقف رہا ہے کہ پائیدار تبدیلی کے لیے عوام کی ذہنی و فکری تربیت ناگزیر ہے۔ جیسے تیسے عوام کی ہمدردی حاصل کر کے مختلف حربے اپنا کر الیکشن جیتنے یا اقتدار میں آنے کی کوشش کرنا ایک حماقت ہے جو ہمارے لیے مناسب نہیں۔

جواب: جماعت سے آپ کی دیرینہ وابستگی کے بارے میں جان کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ کو اس وجہ سے زمانہ ملازمت کے دوران جو صعوبتیں سہنا پڑیں' اللہ تعالیٰ آپ کو دونوں جہانوں میں ان کی بہترین جزا دے۔ جماعت کے بارے میں آپ کے دل میں جو جذبہ خیر خواہی ہے' اس کی ہمیں بہت قدر ہے۔ ملک عزیز میں اسلامی نظام زندگی کے نفاذ کے لیے جماعت کی جدوجہد کے بارے میں آپ کے تبصرے سے آگاہی

ہوئی۔ اس سلسلے میں معروضات درج ذیل ہیں:

مولانا مودودیؒ کا جو مقام و مرتبہ تھا اور ہے، ظاہر ہے کہ صرف جماعت ہی میں نہیں بلکہ پورے ملک میں کسی دوسرے کو یہ حاصل نہیں۔ جماعت اپنے بانی کی حیات کے دوران بھی، اور ان کی وفات کے بعد بھی، اپنے دستور میں متعین کردہ طریق کار کے مطابق اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے کوشاں ہے۔ جس طرح مولانا مودودیؒ اور ان کے بعد محترم میاں طفیل محمد صاحب کے زمانے میں ہم آئینی و جمہوری طریقوں سے جدوجہد کر رہے تھے، اسی طرح آج کر رہے ہیں۔ نہ ہم نے پہلے کبھی قانون کو ہاتھ میں لیا اور نہ آیندہ لیں گے۔ اگر کبھی حکمران اور ان کی باندی انتظامیہ نے اپنی بدنیتی اور مذموم عزائم کی وجہ سے ایسی صورت پیدا کر بھی دی تو ہم نے صبر و تحمل سے کام لیا ہے۔ ۲۴ جون ۱۹۹۶ء کو اسلام آباد میں دھرنا اور ۲۰ فروری ۱۹۹۹ء کو واجپائی آمد کے واقعات اس کی بین مثال ہیں اور یہ ۱۹۶۳ء میں لاہور میں منعقدہ اجتماع کے موقع پر ایک آمر حکمران کے انتہائی ظالمانہ اقدام کے جواب میں جماعت کی صبر و تحمل کی روایت کے مطابق ہیں۔ یہ اس امر کا بھی ثبوت ہیں کہ محترم قاضی صاحب صرف فوجی حکمرانوں کے ادوار کی خامیوں پر انگشت نمائی نہیں فرما رہے ہیں۔ یہ ہمارا آئینی و جمہوری حق بھی ہے اور فرض بھی۔ ہم نے فرض کی ادایگی میں اپنے اس حق کو پُرامن طور پر استعمال کیا ہے۔

جس طرح فوج کا اپنا احتساب کا نظام موجود ہے اسی طرح دوسرے محکموں اور اداروں کا بھی اپنا اپنا نظام احتساب موجود ہے۔ اگر یہ احتسابی نظام کام کر رہے ہوتے تو ملک پوری دنیا میں چوٹی کے کرپٹ ممالک میں شمار ہو کر رسوا نہ ہوتا۔ ایڈمرل منصور الحق اور متعدد دیگر فوجی اعلیٰ عہدے دار اربوں روپے کی خردبرد یا دفاعی سازوسامان کے سودوں میں کمیشن کھانے میں (جن کی تفصیلات خبروں کے مطابق قومی احتساب بیورو کے پاس موجود ہیں) کیونکر ملوث ہوتے۔

جنرل پرویز مشرف صاحب قومی سیکیورٹی کونسل اور مرکزی کابینہ کی صورت میں سیکولر ذہن رکھنے والے اور عوام کے بجائے بیرونی امداد سے چلنے والی این جی اوز کے نمایندہ افراد پر مشتمل جو ٹیم سامنے لائے ہیں وہ اپنی ترکیب اور کارکردگی کے لحاظ سے قوم میں کوئی اعتماد پیدا نہیں کر سکی بلکہ ان میں سے متعدد کا امریکہ اور مغرب کی جانب میلان اضطراب اور بے چینی کا باعث ہے۔ اس وقت ملک عزیز میں ہر طرف اضطراب و احتجاج کی جو لہریں پائی جاتی ہیں ان کی ایک بڑی وجہ خود جنرل صاحب کا اپنی ٹیم کے لیے چناؤ ہے۔ موجودہ حکومت کی گیارہ ماہ کی مایوس کن کارکردگی پر جماعت کی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۳-۴ ستمبر ۲۰۰۰ء کی قرارداد میں اس پر تفصیل سے تبصرہ کیا گیا ہے۔

تاجروں کی ہڑتال ملکی تاریخ کی طویل ترین ہڑتال تھی اور اس کو دبانے کے لیے منہ زور پولیس کا ظلم

و تشدد بھی عروج پر تھا' جماعت اسلامی نے اس قومی بحران کو حل کرنے کے لیے ملک بھر سے تاجروں کے موصولہ مطالبات پر حکومت سے رابطہ کیا اور وزیر خزانہ سے بات کی جس پر وزیر خزانہ نے بحران کے حل کے لیے کسی مصالحتی فارمولے کی تلاش کے لیے تاجروں کے وفد سے مذاکرات پر آمادگی ظاہر کی۔ جماعت نے تاجروں کا قومی وفد تشکیل دیا اور وزیر خزانہ کو وفد کی فہرست دی اور بتایا کہ نائب امیر جماعت لیاقت بلوچ صاحب اور قیم جماعت سید منور حسن صاحب بھی وفد کے ہمراہ مذاکرات میں شریک ہوں گے۔ لیکن وزیر موصوف نے اس وفد کو مذاکرات کے لیے نہیں بلایا' جب کہ دوسرے لوگوں سے مذاکرات کیے۔ جماعت نے اس تنازعے کے بارے میں (جس کی وجہ سے بقول آپ کے کروڑوں کا نقصان ہوا ہے اور عوام بدحال ہو گئے) جس موقف کا بار بار اظہار کیا ہے وہ یہ ہے کہ اس مسئلے کو جبر و تشدد سے حل کرنے کے بجائے تاجروں سے مذاکرات اور افہام و تفہیم کے ذریعے حل کیا جائے۔ تاجروں کا یہ موقف رہا ہے کہ وہ ملک کی ضرورت کے مطابق ٹیکس دینے کو تیار ہیں لیکن وہ اس کے لیے ایسا طریقہ کار چاہتے ہیں جس کے تحت حکومت کی کرپٹ انتظامی مشینری ان کو ناروا طریقوں سے پریشان اور بلیک میل نہ کر سکے۔ تاجروں کا یہ بھی کہنا ہے کہ جو فارم ان سے پُر کرایا جا رہا ہے وہ سرکاری افسران (سول اور فوجی) سے بھی پُر کرایا جائے۔ جماعت اسلامی نے بجٹ میں پانچ ایکڑ زمین کے مالک پر ٹیکس لگانے پر بھی تنقید کی تھی' آپ اسے بھی ووٹوں کی طلب قرار دے سکتے ہیں' حالانکہ حکومت نے اب اپنی اس غلطی کو تسلیم کر لیا ہے۔ براہ کرم ملک کے حالات کو سدھارنے کے سلسلے میں اختلاف رائے کو نیتوں کے فساد تک نہ لے جائیں۔

جماعت حکومت پر مسلسل زور دے رہی ہے کہ وہ ٹیکسوں کے بوجھ میں اضافہ کرنے' پوری قوم کو کرپٹ اور ظالم بیوروکریسی کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے جیسے غلط اقدام نہ کرے بلکہ سابقہ حکمرانوں اور ان کے چہیتوں سے لوٹا ہوا خزانہ واپس لے' بڑے نادہندگان سے ڈوبے ہوئے قرضے واپس لے' مزید اندرونی و بیرونی قرضے نہ لے' کرپٹ اور ظالمانہ ٹیکس نظام کو عادلانہ بنائے۔ پوری بیوروکریسی خصوصاً محکمہ ٹیکس کے کرپٹ افسروں اور اہل کاروں کا بے لاگ اور کڑا احتساب کرے۔ حکمران اپنے شاہانہ لائف اسٹائل کو تبدیل کریں اور سادگی و فقر کی زندگی بسر کریں۔ بجٹ کا زیادہ سے زیادہ حصہ لوگوں کی فلاح و بہبود پر خرچ کریں۔ انھیں سستی سہولتیں مہیا کریں۔ ان کی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کے لیے اور مظلوموں کی داد رسی کے لیے اپنی ذمہ داریوں کو اطمینان بخش طور پر نبھائیں۔ جب لوگوں کو معلوم ہو جائے گا کہ ان کے خون پسینے کی کمائی سے جمع شدہ ٹیکس حکمرانوں کے عیش و عشرت اور ان کی تجوریاں بھرنے پر نہیں بلکہ قوم کی بھلائی و ترقی اور ملک کے استحکام کے لیے استعمال ہو رہے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ لوگ خوش دلی اور دیانت داری سے ٹیکس نہ دیں۔

کیا یہ سوچنے کی بات نہیں کہ جو لوگ رضاکارانہ طور پر ہزاروں' لاکھوں روپے کے عطیات مختلف رفاہی اداروں کو دیتے ہیں' خدمت خلق کے بڑے بڑے ادارے ان کے عطیات سے چل رہے ہیں' وہ حکومت کو ٹیکس کیوں نہیں دے رہے۔

جماعت اسلامی ملک عزیز میں عدل و انصاف اور دیانت کو رواج و فروغ دینے اور ظلم و استحکام اور کرپشن کے خاتمے کے لیے اسلامی نظام کے نفاذ و غلبہ کے لیے کوشاں ہے۔ ہم اپنا دینی فریضہ سمجھ کر ظلم و جبر کے خلاف اور مظلوموں کے حق میں آواز اٹھاتے ہیں۔ عام انتخابات میں لوگ اپنا وزن کس پلڑے میں ڈالتے ہیں' یہ ان لوگوں کی ذمہ داری ہے۔ خیر کے پلڑے میں وزن ڈالیں گے تو اپنے حق میں اچھا کریں گے' قوم و ملک کی بھلائی کا کام کریں گے۔ اگر خدانخواستہ اس کے برعکس کریں گے تو جس مصیبت کا پہلے شکار ہیں ممکن ہے کہ اس سے بڑی مصیبت میں مبتلا ہو جائیں۔ اللہ ایسے برے وقت سے ہمیں محفوظ رکھے۔

اگر آپ ہفت روزہ ایشیا کا ۱۱-۱۷ فروری ۲۰۰۰ء کا شمارہ ملاحظہ کر سکیں تو آپ اس میں شائع شدہ سالانہ رپورٹ کے مطالعے سے جماعت کی دعوتی' تربیتی' تنظیمی اور خدمت خلق کے حوالے سے مساعی و خدمات کے بارے میں تفصیل کے ساتھ جان سکیں گے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہم ملک میں پائیدار تبدیلی کے لیے ایک توازن اور اعتدال سے کام کر رہے ہیں۔

مجھے امید ہے کہ اس وضاحت اور مذکورہ قرارداد اور رپورٹ کے مطالعے سے آپ کے اعتراضات دور ہو جائیں گے اور آپ جماعت اسلامی کے مخلصانہ مشوروں کی تائید اور حمایت کریں گے۔ ہمارا موقف ہے کہ سوا سال کا عرصہ ضلعی حکومتوں کے متنازعہ منصوبے اور اسی طرح کے دیگر طویل المیعاد منصوبے بنانے پر صرف کرنے کے بجائے موجودہ نااہل اور غیر موثر حکومت کو تبدیل کیا جائے۔ دستور کی دفعہ ۶۲ کی شرائط پر پورا اترنے والے امین' اہل اور خدا ترس لوگوں کی عبوری حکومت قائم کی جائے جو ایک مختصر عرصے میں بے لاگ احتساب کے ذریعے قومی دولت لوٹنے والوں سے سیاست کو صاف کرے اور اسی دوران انتخابی قوانین اور انتخابی مشینری میں اصلاحات کر کے ایک کلیتًا آزاد اور خودمختار الیکشن کمیشن کے ذریعے متناسب نمایندگی کے طریقے کے مطابق انتخاب کرا کے اقتدار ایسے نمایندوں کو منتقل کر دے جو امین' مخلص' خدا ترس اور صاحب کردار ہوں۔ ایسے ہی منتخب لوگ ملک کو موجودہ دلدل سے نکال کر ترقی و استحکام کی شاہراہ پر گامزن کر سکتے ہیں۔ اس میں جتنی تاخیر ہو گی خود فوج اس دلدل میں دھنستی چلی جائے گی جو فوج کے علاوہ خود ملک کے لیے بھی شدید نقصان کا باعث ہوگا (چودھری رحمت الٰہی)۔

کتاب نما

آسان ترجمہ اور تفسیر (اول)، زاہد شکیل۔ ناشر: ادارہ قرآن حکیم، پوسٹ بکس نمبر ۵۰۰، لاہور۔ صفحات: ۳۵۷ (بڑی تقطیع)۔ قیمت: ۱۵۵ روپے۔

اردو میں قرآن حکیم کی بیسیوں بلکہ سیکڑوں تفاسیر ملتی ہیں لیکن زیر نظر تفسیر کی انفرادیت یہ ہے کہ یہ ۱۲ سے ۲۰ سال تک کے بچوں اور نوجوانوں کی ذہنی سطح کو مد نظر رکھ کر لکھی گئی ہے۔ اس کی زبان، انداز بیان اور مثالیں ایسی ہیں جسے بچے اور نوجوان فوراً سمجھ لیں اور انھیں اجنبی محسوس نہ کریں۔ ایسے مسائل نہیں چھیڑے گئے جنھیں بچوں اور نوجوانوں کے لیے سمجھنا مشکل ہو۔

زاہد شکیل صاحب پیشے کے لحاظ سے الیکٹریکل انجینئر ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "علم تو ثانوی چیز ہے، بنیادی چیز توفیق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مجھے اپنی کتاب کی خدمت کی توفیق بخشی"۔ اس کام میں ان کے مرشد سید علی صاحب نے بھی انھیں حوصلہ دیا اور مشورہ بھی۔ مؤلف یہ بھی بتاتے ہیں کہ ایک بار انھیں نبی اکرمؐ کی زیارت ہوئی اور میں نے دیکھا کہ آپؐ مجھے قرآن حکیم پڑھا رہے ہیں۔ وہ سورت مریم تھی۔ آغاز کے حروف مقطعات کا جو مطلب نبی اکرمؐ نے بیان فرمایا، وہ میں نے اسی طرح لکھ دیا ہے"۔

مولف نے بلاشبہ خاصے آسان انداز میں مطالب قرآن کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ اختلافی فقہی مسائل سے تعرض نہیں کیا، کیونکہ ان کا خیال ہے کہ ۲۰ سال تک کے قاریوں کے لیے بیشتر فقہی مسائل کو جاننا ضروری نہیں۔ انھوں نے بجا طور پر کہا ہے کہ یہ کتاب کسی خاص مکتب فکر کی نہیں بلکہ ہر مکتب فکر کی ہے (ص ۶)۔ جابجا احادیث نبویؐ کے حوالے بھی دیے ہیں۔ دیباچے میں قرآن حکیم کے موضوعات نزول، ترتیب، متشابہات، قرآن بطور نظام زندگی اور قرآنی قصوں کے مقاصد پر بڑے توازن کے ساتھ ضروری باتیں بیان کر دی ہیں۔

ہر صفحے پر پہلے عربی متن ہے، نیچے اتنے حصے کا ترجمہ اور پھر تفسیری حاشیہ۔ مولف نے یہ کام محنت اور توجہ سے کیا ہے۔ تفسیری حاشیوں میں قرآنی نکات کو دور حاضر کے ملکی اور غیر ملکی، معاشرتی اور معاشی تناظر میں سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ امت مسلمہ کے بارے میں یہودیوں اور دنیا کی بڑی طاقتوں کے معاندانہ رویوں، اور اس کے ساتھ ہی خود امت کی اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔

مولف محترم نے دینی عقائد اور اوامر و نواہی کے بارے میں نہایت صاف اور صحیح ذہن کی عکاسی کی ہے۔ یہاں تک کہ ایک جگہ بتایا ہے کہ یورپ اور امریکہ سے کھانے پینے کی جو چیزیں آتی ہیں ان میں اکثر ایسی چیزیں شامل ہوتی ہیں جو مردار جانوروں سے حاصل ہوتی ہیں۔ چنانچہ وہ مغربی ممالک کے ساختہ چاکلیٹ' ٹافیوں' پنیر' بسکٹ اور ڈبل روٹی وغیرہ کے سلسلے میں احتیاط پر زور دیتے ہیں کہ ان چیزوں کو کھانے سے پہلے لیبل پر درج مشمولات ضرور دیکھ لینے چاہییں۔ احتیاط کی یہ تلقین تقویٰ کی علامت ہے اور قابل تحسین ہے۔

بعض باتیں محل نظر ہیں' مثلاً: وَيُعَلِّمُكُمْ مَّالَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (اور [رسولؐ] تمھیں وہ باتیں سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے تھے) کی تشریح میں اس کے دو مفہوم بتائے گئے ہیں۔ ایک تو عمومی مفہوم ہے' یعنی وہ عام تہذیب جسے نبی اکرمؐ نے عربوں کو سکھا کر انھیں مہذب انسان بنایا۔ دوسرا مفہوم: وہ روحانی علوم جو نبی اکرمؐ کے سینہ مبارک سے چلے اور پھر اولیاے کرام اس علم کو' جسے علم لدنی کہا جاتا ہے' لے کر آگے بڑھے۔ تمام صوفیانہ سلسلے مثلاً قادری' چشتی' سہروردی' صابری' وارثی' نقشبندی وغیرہ انھی روحانی علوم سے وجود میں آئے جو کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ کو عطا کیے اور انھوں نے اپنی امت میں آگے بڑھائے اور آج تک جاری ہیں (ص ۱۲۰)۔ یہاں سوال یہ ہے کہ کیا قرآن اور حدیث سے الگ کوئی "روحانی علم" یا "علم لدنی" بھی ہے جو رسول اکرمؐ سے (صحابہ کرامؓ کے توسط کے بغیر) براہ راست اولیاے کرام تک پہنچا؟ اور کیا کہیں قرآن و حدیث میں اس کا ذکر بھی ملتا ہے؟ اور کیا "علم لدنی" کے متذکرہ بالا صوفیانہ سلسلوں کو مختلف نام دینا اور الگ الگ نسبتیں قائم کرنا' وہی فرقہ بندی تو نہیں ہے جس کی مفسر محترم نے دوسرے مقامات پر مذمت کی ہے؟ اسی طرح ایک جگہ انھوں نے اولیاے کرام کے "کشف" کا ذکر کیا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن اور حدیث میں اس کی گنجایش کہاں سے نکلتی ہے؟ یا صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں ایسے "کشف" کی تائید و تحسین یا اس کا کوئی ذکر ملتا ہے؟

مصنف نے وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ کا ترجمہ "نماز صحیح طرح سے ادا کرو" کیا ہے (ص ۹۴) جو ایک مبہم بات ہے۔ خاوند اور بیوی میں جدائی ڈالنے والوں کے ذکر میں (ص ۹۰) یہ مفہوم اخذ کرنا کہ ان کا مقصد دوسروں کی بیویوں کو قابو میں لانا تھا' درست معلوم نہیں ہوتا۔

"آسان ترجمہ اور تفسیر" کی کمپیوٹر کی کتابت کرتے ہوئے اعراب کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ بلاشبہ کمپیوٹر کے ہزار فائدے ہیں اور اس کی برکات بے حد و حساب ہیں مگر یہ بات کہ "کمپیوٹر کی عبارت میں الفاظ کا توازن (symmetry) ہوتا ہے اور دیکھنے میں یہ عبارت خوب صورت لگتی ہے (ص ۱۱) کمپیوٹر سے کچھ زیادہ ہی حسن ظن پر مبنی ہے۔ اسی کتاب کے متعدد صفحات اس حسن ظن کی تکذیب کر رہے ہیں۔

متن قرآنی کے الفاظ کے درمیان فاصلے جگہ جگہ کم و بیش ہیں۔ بعض اوقات تو ایک ہی لفظ کے دو ٹکڑوں میں غیر ضروری فصل موجود ہے (ص ۳۹' سطر ۲' فاتوا اور شھداء کم)۔ اسی طرح کی مثالیں کئی جگہ مل جائیں گی۔ املا اور ہجوں کی درستی اور صحت کا احساس قابل قدر ہے مگر فیروز اللغات کو معیار بنانا یا یہ کہنا کہ جو ہجے اس کتاب میں دیے گئے ہیں "وہی درست ہیں" صحیح نہیں' کیونکہ املا اور ہجوں کے لحاظ سے نہ فیروز اللغات معیاری لغت ہے اور نہ ماہرین املا اور لغت نگار بعض الفاظ کی ان شکلوں کو درست سمجھتے ہیں جو اس کتاب میں اختیار کیے گئے ہیں' مثلاً: انہوں' انہیں' تمہارے' تمہیں--- وغیرہ کے بارے میں اردو کے تمام اداروں اور ماہرین املا کا اتفاق ہے کہ انھیں' انھوں' انھیں' تمھارے' تمھیں وغیرہ لکھنا چاہیے۔ اجمعین کو نہ جانے کیوں التزام کے ساتھ ہر جگہ اجماعین لکھا گیا ہے۔

مجموعی حیثیت سے یہ کاوش مفید اور قابل قدر ہے۔ زیر نظر حصہ اول سورہ فاتحہ تا سورہ ال عمران پر مشتمل ہے۔ خدا مولف کو تکمیل کی توفیق بخشے۔ آمین! (رفیع الدین ہاشمی)۔

درس قرآن کی تیاری کیسے کی جائے؟ خلیل الرحمٰن چشتی' ناشر: الفوز اکیڈمی' مکان ۳۱۷' گلی ۱۶' ایف ٹن ٹو' اسلام آباد۔ صفحات: ۷۲۔ قیمت: ۲۵ روپے۔

الفوز اکیڈمی کا مرتب کردہ یہ کتابچہ مدرسین قرآن کے لیے بہترین رہنمائی مہیا کرتا ہے۔ اس کتابچے میں پہلے ۲۶ اصولی باتیں درج کی گئی ہیں جو مدرس سے متعلق ہیں۔ (اگر ان باتوں کو ملحوظ رکھا جائے تو درس بامقصد' سہل اور عام فہم بن جاتا ہے اور سامعین کچھ حاصل کر کے اٹھتے ہیں)۔ اس کے بعد ایک مکمل سورت کے درس کی تیاری کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ مصنف بتاتے ہیں کہ سورت کے مرکزی مضمون اور اس کے واقعاتی پس منظر کو مختلف اجزاے سورت سے کیسے مربوط کیا جائے؟ اسی طرح وہ ہدایت کرتے ہیں کہ محاورات اور الفاظ کا وہ مفہوم متعین کیا جائے جو سیاق کلام کے ساتھ مناسبت رکھتا ہو۔ اور اس ضمن میں تفاسیر کے علاوہ مفردات امام راغب اور مترادفات پر تصانیف کا مطالعہ ضروری ہے۔ پھر ترجمہ بامحاورہ ہونا چاہیے۔ موضوع سے متعلق عہد رسالتؐ اور عہد صحابہؓ کے واقعات' درس کو موثر بنا دیتے ہیں۔

موضوعاتی درس پر بھی مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ موضوع درس زندہ ہو' عملی زندگی سے متعلق ہو' تعمیری اور اصلاحی ہو' اس موضوع پر مناسبت رکھنے والی آیات سے اسے مزید واضح کیا جائے اور موضوع کے مختلف پہلوؤں کو نکات کی صورت میں اجاگر کیا جائے۔ متداول تفاسیر مثلاً تفہیم القرآن' تدبر قرآن' معارف القرآن' فی ظلال القرآن اور ابن کثیر کا مطالعہ کیا جائے' اسی طرح احادیث کی معتبر کتابیں بھی دیکھی جائیں۔

موضوعاتی درس کا ایک نمونہ بھی دیا گیا ہے (**مولانا فتح محمد**)۔

زندگی کیا ہے! جیلانی بی اے۔ ناشر: منشورات، منصورہ، ملتان روڈ، لاہور۔ صفحات: ۲۶۸۔ قیمت: ۱۰۰ روپے۔

میرا افسانوی ادب کا مطالعہ نہایت محدود ہے، پھر بھی جدید و قدیم طرز کے جو تھوڑے بہت افسانے نظر سے گزرے ہیں، ان کے حوالے سے یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اصابت فکر اور معیار فن ہر دو اعتبار سے چودھری غلام جیلانی مرحوم کے افسانے اپنی صنف کی صف اول میں جگہ پانے کے بجاطور پر حق دار ہیں۔

افسانے کا محدود کینوس انسانی کردار کے نفسیاتی تجزیے کا پورا پورا موقع فراہم کرتا ہے اور دیگر اصناف کے مقابلے میں یہاں ایک ادیب کی قوت مشاہدہ، بصیرت اور فکر کی پرکھ زیادہ آسان ہوتی ہے۔ یہاں تخلیق کار کرداروں کے طرز عمل سے اور اس کے اثرات و نتائج کے حوالے سے اپنے نظریے کا ابلاغ کرتا ہے۔ اب اگر تخلیق کار کا نظریہ حیات فطرت انسانی کی مطابقت میں ہو تو اس کا تخلیق کردہ کردار بھی فطری انداز پر عمل پیرا ہو سکے گا اور قاری نہایت آسانی سے اس کے پیرایہ عمل اور اس کے نتائج کو قبول کرتے ہوئے زندگی کے بارے میں وہ بصیرت حاصل کر لے گا جو افسانہ نگار اسے بخشنا چاہتا ہے۔ یہ بصیرت چونکہ زندگی کے گوناگوں مسائل کی توجیہہ میں اس کی معاونت کرنے والی ہو گی اس لیے اس مطالعے سے وہ آسودگی، ہمت اور خود اعتمادی حاصل کرے گا جو بچوں کو پہیلی بوجھ لینے کے نتیجے میں حاصل ہوتی ہے۔

غلام جیلانی کے افسانوں کے کردار اور افسانوی فضا، مشاہدے کی گہرائی اور جذبہ دل سوزی کے عناصر سے مل کر فطرت انسانی کی حیثیت اور تعمیری جہات کا تصور اجاگر کرتی ہے۔ میرے نزدیک جیلانی مرحوم کے افسانوں کی بنت میں جو پختگی اور آراستگی ہے وہ بھی ان کی اصابت فکر ہی کی دین ہے۔ انھیں کہانی کی پیش رفت میں کسی غیر منطقی رویے کی استعداد کی ضرورت مطلقاً پیش نہیں آتی۔ پلاٹ پر تعمیر ہونے والی عمارت کے مختلف حصے نہایت متناسب اور حسین انداز میں مکمل ہوتے چلے جاتے ہیں اور دیکھتے ہی دیکھتے فکر و فن کا ایک تاج محل تیار ہو جاتا ہے۔ جیلانی صاحب اپنے افسانوں کی ابتدا روز مرہ کے بظاہر غیر اہم واقعات سے کرتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ منطقی انداز سے ان واقعات میں ندرت کا رنگ بھرتے اور پھر اس ندرت کی نفسیاتی توجیہ کرتے ہوئے قاری کو غیر محسوس طریقے پر زندگی کی کسی سچائی سے آشنائی عطا کر جاتے ہیں۔

"**زندگی کیا ہے**" کے اکثر و بیش تر افسانے ایک ہی موضوع یعنی مردوں کے جنسی ہیجان کی کارفرمائیوں سے متعلق ہیں۔ نام نہاد ترقی پسند اباحیت زدہ افسانہ نگاروں نے جنس کے حوالے سے اپنی تخلیقات میں جو گل کھلائے ہیں اور جس طرح کھل کھیلے ہیں اس کے پیش نظر دینی مزاج کے حامل ادبا نے انسانی کردار کے

اس اہم محرک جذبے سے تعرض کو اپنے لیے ممنوعہ علاقہ بنالیا تھا۔ چنانچہ یہ خانہ خالی کلیتاً دیووں ہی کی آماجگاہ بن کر رہ گیا تھا۔ جیلانی مرحوم نے اس اہم موضوع سے تعرض کر کے ایک طرف فرض کفایہ ادا کیا ہے تو دوسری طرف اپنی فنی چابک دستی سے اس موضوع پر لکھنے والوں سے غالب کی زبان میں کہا ہے کہ

دیکھو اسی طرح سے کہتے ہیں سخن ور سہرا

جیلانی صاحب اپنے کرداروں کے جنسی ہیجانات کی تفصیل پیش کرتے ہوئے بالواسطہ طور پر خود قاری کو معاشرے میں پھیلے ہوئے ہیجانات کے حوالے سے اپنی تحلیل نفسی کا موقع عطا کرتے اور اسی طرح قاری کو اپنے نفس میں موجود جنسی ہیجانات کے سیلاب کے آگے بند باندھنے کی حکمت سے آشنا کرتے ہیں۔ ان کے افسانے پڑھتے ہوئے مجھے ذاتی طور پر یوں محسوس ہوا جیسے کوئی ماہر فن نباض میری نبض پر ہاتھ رکھ کر مرض کی ایک ایک کیفیت بیان کر کے دوا تجویز کرنے سے قبل میرا اعتماد حاصل کر رہا ہو۔

کہتے ہیں پہنچے ہوئے لوگوں کے تصرفات بعد از وفات بھی کارفرما رہتے ہیں۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ چودھری غلام جیلانی صاحب کہاں تک پہنچے ہوئے تھے لیکن "زندگی کیا ہے!" پڑھتے ہوئے میں نے اپنے نفس پر ان کے تصرف خیر کو واضح طور پر محسوس کیا۔

اس قیمتی مجموعہ کے مرتب برادرم سلیم منصور خالد نے اس امر پر بجا طور پر اظہار تاسف کیا ہے کہ ہمارے دور کے نقادوں نے جیلانی بی اے کے افسانوں کو درخور اعتنا نہیں گردانا۔ لیکن یہ بے اعتنائی ناقابل فہم ہرگز نہیں، اس کے واضح اسباب ہیں۔ جیلانی صاحب کی درویش منشی اور جماعت اسلامی جیسی جماعت سے وابستگی کے علاوہ افسانوں کے منصہ شہود پر آنے کے وقت کا وہ ناموافق ادبی ماحول تھا جس میں دین گریز ادیبوں کی بنیری لگ رہی تھی اور دینی فکر کے حامل تخلیق کاروں کو اس طرح پیچھے دھکیل دیا گیا تھا جس طرح فاتح آریاؤں نے ہندستان کے قدیم دراوڑوں کو جنوبی ہند میں دھکیل دیا تھا۔ بہرحال اب اس نام نہاد ترقی پسندی کے ملبے کا غبار بیٹھ جانے کے بعد جیلانی صاحب اور ان جیسے دیگر تعمیری فکر کے حامل تخلیق کاروں کی کاوشیں ادبی منظر پر لانے کی ضرورت ہے تاکہ احیاے اسلام کی لہر کو ادبی حوالے سے بھی تقویت مہیا ہو (عنایت علی خان)۔

الرشید (خصوصی اشاعت) مدیر: عبدالرشید ارشد۔ مقام اشاعت: ۲۵ لوئر مال، لاہور۔ صفحات: ۴۹۵۔ ہدیہ: ۲۰۰ روپے۔

مولانا عبدالرشید ارشد نے گذشتہ برسوں میں ماہنامہ الرشید کے بعض یادگار نمبر شائع کیے ہیں۔ زیر نظر نمبر اس سلسلے کی تازہ کڑی ہے۔ اس میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور مولانا محمد یوسف شہید

لدھیانوی پر مضامین جمع کیے گئے ہیں۔ ان متنوع مضامین میں مرحومین کی شخصیت کی رنگارنگ اور دل چسپ جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ مولانا علی میاں اور مولانا محمد یوسف اپنے اپنے دائروں میں عمر بھر علمی اور دینی خدمات انجام دینے میں معروف رہے۔ ان کے ارادت مندوں کے حلقے بھی خاصے وسیع ہیں۔ اس کا اندازہ زیر نظر خصوصی اشاعت اور اس طرح کے دیگر رسائل کی اشاعتوں سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

تقریباً ۵۰۰ صفحات پر مشتمل، یہ ضخیم اور مجلد اشاعت خاصے اہتمام سے شائع کی گئی ہے تاہم اس کی کتابت ہموار اور یکساں نہیں ہے جس نے جریدے کی صورت ظاہری کو متاثر کیا ہے۔ لیکن جناب عبدالرشید ارشد کی محنت میں کلام نہیں ہے۔ مذکورہ دونوں شخصیات سے دل چسپی رکھنے والے افراد کے لیے یہ مجلہ بے حد معلومات افزا ہے (ر-ہ)۔

(۱) مسائل وضو (۲) مسائل غسل، مولانا محمد رفعت قاسمی۔ ناشر: مکتبہ جامعہ خدیجۃ الکبریٰ، ۴/۱ای، محمد علی سوسائٹی، کراچی۔ صفحات: (۱) ۲۰۵، (۲) ۱۳۵۔ قیمت: درج نہیں۔

دونوں کتابوں میں متعلقہ موضوع پر محترم مولانا محمد رفعت قاسمی صاحب نے کتب فقہ سے نہایت تفصیل سے، جزئیات میں جاکر ہر ممکنہ مسئلے کو بیان کر دیا ہے۔ تبصرہ نگار نے جب اپنے ایم اے اسلامیات کے لیے مطالعہ تفسیر کے سلسلے میں ایک فقہی مسئلے پر بحث پڑھی تو مطالعے کے ساتھی نے یہ جملہ نقل کیا کہ شرع میں شرم نہیں۔ اسی کی عملی تفسیر ان کتب میں دیکھی کہ واقعی شرع میں شرم نہیں۔ بظاہر تو یہ ایک مفید مشق لگتی ہے، لیکن اتنے مسائل کا علم ایک عام مسلمان کی ضرورت تو نہیں۔ عام مسلمان تو صرف مسئلہ ہی پوچھتا ہے۔ بتانے والوں کے لیے یہ کتابیں راہنما ہو سکتی ہیں۔ ان کتابوں میں اشاریہ کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، تاکہ کوئی سائل، ضروری مسئلہ متعلقہ صفحے پر بلازحمت نکال سکے۔

مکتبہ جامعہ خدیجۃ الکبریٰ نے اسی نوعیت کی دیگر کتب بھی شائع کی ہیں۔ یوں دیوبند کا فیض، پاکستان میں بھی جاری ہے (مسلم سجاد)۔

مدیر کے نام

ڈاکٹر سید صلاح الدین ہاشمی' نیویارک

پروفیسر آسی ضیائی کا مضمون "سید مودودی: اردو ادب کے سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی" (ستمبر ۲۰۰۰ء) ایک اچھا مضمون ہے لیکن اس کا آخری جملہ قابل توجہ ہے: "یہ کام سید موصوف نے کر دکھایا اور اب اس نمونے پر لکھنے والے آہستہ آہستہ تعداد اور کیفیت دونوں میں بڑھتے جا رہے ہیں اور اب بظاہر کسی نئے انقلابی ادیب کے آنے کے آثار ہیں نہ گنجایش" (ص ۳۴)۔ حقیقت یہ ہے کہ صرف نبوت کا سلسلہ بند ہوا ہے' اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا لیکن ادیب' مفکر' لیڈر' شاعر اور مفسر ہر زمانے میں پیدا ہوتے رہیں گے۔ اس کی ضرورت بھی رہے گی اور گنجایش بھی ہے۔

سید عرفان گیلانی 'کوپن ہیگن' ڈنمارک

"سید مودودی: اردو ادب کے سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی" (ستمبر ۲۰۰۰ء) معلومات افزا اور دل چسپ تحریر ہے مگر فاضل محرر کا دانستہ تحقیق کے اصولوں سے انحراف' اور "اعتراف جرم" (ص ۳۳-۳۴) مضمون کے متعلق علمی تحفظات قائم کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ اس پر مستزاد اردو ادب کے ارتقا میں ابوالکلام آزادؒ کے تذکرے سے بے اعتنائی' مضمون کی معروضیت پر ایک سوالیہ نشان ہے۔ ابوالکلامؒ کا اسلوب نگارش' بعض دوسرے ادبا کے برخلاف' یقیناً ان کے ساتھ مخصوص رہا۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ الہلال نے اردو ادب (بالخصوص اسلامی ادب) کو نئے محاورات اور تراکیب سے مالا مال کیا' اور مروجہ الفاظ کو نئے معنی دیے۔ اقامت دین' حکومت الٰہیہ' خلافت' حزب اللہ ایسی ہی چند اصطلاحات ہیں۔ خود سید مودودیؒ نے مولانا آزادؒ کی اس دینی اور ادبی حیثیت کو قبول کیا ہے (دیکھیے: تذکرہ سید مودودی' ج ۱' ص ۴۴۲)۔

ڈاکٹر محمد اسحاق منصوری' کراچی یونی ورسٹی

"اردو ادب کے سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی" (ستمبر ۲۰۰۰ء) عمدہ اور منفرد تحریر ہے۔ اگر ہر ادیب کی تحریر سے چند مثالیں یا کم از کم مکمل حوالے بھی دیے جاتے تو افادیت مزید بڑھ جاتی۔ صاحب مقالہ اپنی اس پیش گوئی پر کہ "اب بظاہر کسی نئے انقلابی ادیب کے آنے کے آثار ہیں نہ گنجایش" (ص ۳۴) نظرثانی فرمائیں۔ اس لیے کہ سید مودودی مرحوم نے تو ہمیں اکابر پرستی کے خلاف جہاد کا درس دیا ہے اور آنے والا دور کسی انقلابی ادیب کی گنجایش بھی رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کا بھی ذکر ہونا چاہیے تھا۔ اگرچہ اردو میں ان کی اپنی کوئی تحریر نہیں' تاہم اردو ادب پر ان کے جو اثرات پڑے ہیں' وہ محتاج بیان نہیں۔ پروفیسر آسی ضیائی کا ادب میں مجتہدانہ انداز فکر قابل تعریف ہے۔

امجد عباسی' لاہور

"میڈیا کا مشرف بہ اسلام ہونا" (اگست ۲۰۰۰ء) میں اسلام کے تصور تفریح کے تحت ڈرامے پیش کرنے کی بات کی گئی ہے۔ یہ جدید دور کے حوالے سے خواہ مخواہ گنجایش نکالنے کا انداز لگا۔ اسلام ایک مکمل نظام حیات ہے اس میں جس چیز کی

گنجایش ہو وہ لے لینی چاہیے اور جس کی نہ ہو وہ نہیں لینی چاہیے۔ اداکاری کے جواز کے نتیجے میں فرد کے تشخص کا مسئلہ، محرم اور نامحرم کا مسئلہ، خواتین کی شرکت اور بے پردگی کا مسئلہ اور دیگر اسلامی معاشرتی مسائل سر اٹھاتے ہیں۔ آخر کہاں تک گنجایش نکالتے جائیں گے۔

عرفان احمد، منچن آباد

"بنگلہ دیش میں دینی مدارس: نئے رجحانات" (ستمبر ۲۰۰۰ء) بہت اچھا، اہم اور معلوماتی مضمون ہے۔ اس میں ہمارے دینی مکاتب فکر اور مدارس کے علما کے لیے بہت سی رہنما باتیں ہیں۔ کاش! پاکستان میں ایسا ہو جائے۔ ہمارے ہاں ایک بہت قدیم مدرسہ ہے جہاں ایک بڑے عالم گذشتہ دنوں آئے اور طلبا سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اگر دینی مدارس میں کمپیوٹر آیا تو دین کی تعلیم ختم ہو جائے گی!

عبدالکریم عابد صاحب کا مضمون: "جمہوریت اور امریکی حکمت عملی" (ستمبر ۲۰۰۰ء) بے حد مفید اور معلوماتی تھا۔ ضرورت ہے کہ مغربی جمہوری تصورات کے تحت منعقدہ انتخابات میں اسلامی تحریکوں کی شرکت اور اثرات کا غیر جانب دارانہ جائزہ لیا جائے۔ برادر تنظیموں اور ہماری یونینز کے کام پر اثرات کا جائزہ بھی لیا جائے۔

عدی محمد، لاہور

ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی نے "چند اخوانی ادیب" (اگست ۲۰۰۰ء) یہ تاثر دور کر دیا ہے کہ اخوان محض جذباتی تحریک ہے، جب کہ برعظیم پاک و ہند کی تحریک لٹریچر کا سرمایہ رکھتی ہے۔ اخوانی لٹریچر کے پھر بھی کچھ تراجم ہوئے ہیں، لیکن غالباً اردو تحریکی لٹریچر کے عربی تراجم کی روایت آغاز کے بعد ہی ختم ہو گئی۔ کیا کبھی تفہیم القرآن کے عربی ترجمے کا منصوبہ بھی بنایا گیا؟

عبدالمتین مدنی، دبئی

ڈاکٹر عبیداللہ فہد فلاحی نے اپنے مضمون "چند اخوانی ادیب" (اگست ۲۰۰۰ء) میں بہت سے امور کو گڈمڈ کر دیا ہے۔ ڈاکٹر سعید رمضان کے تذکرے میں تو خلط ملط کی حد کر دی ہے۔ حسن البنا شہید کے داماد اور المسلمون کے مرحوم مدیر کے نام کے آگے البوطی کا اضافہ نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر سعید رمضان کا تعلق مصر سے تھا لیکن ڈاکٹر سعید رمضان البوطی تو شام کے ہیں اور ابھی زندہ ہیں اور بعثی حکومت کے سب سے قریب شمار ہوتے ہیں۔ حافظ الاسد کی نماز جنازہ انھوں نے پڑھائی اور حافظ الاسد کے فراق میں ہچکی لیتے ہوئے ٹیلی ویژن پر کروڑوں افراد نے آپ کو دیکھا تھا۔ فقہ السیرۃ النبویۃ جس کا تذکرہ مقالہ نگار نے کیا ہے، موصوف ہی کی تصنیف ہے۔

"کتاب نما" میں تاریخ علوم اسلامیہ پر تبصرے کے ضمن میں عرض ہے کہ جرمن مستشرق کارل بروکلمان کی جرمن زبان میں لکھی کتاب ۱۹۳۶ء تک کے عربی زبان کے مصنفین اور تصانیف و مخطوطات کے جائے وقوع پر مشتمل ہے۔ مخطوطات کا کوئی محقق اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ ایسی جامع کتاب اب تک میری نظر سے نہیں گزری۔ بروکلمان نے برلن کے کتب خانہ میں بیٹھ کر مطبوعہ مواد کو سامنے رکھ کر یہ کتاب ترتیب دی تھی لہٰذا انھوں نے سامنے موجود مواد کی غلطیوں کو من و عن نقل کر دیا، اور جب فواد سزکین نے اس کی تصحیح کرنی چاہی تو کام کی وسعت کو دیکھ کر گھبرا اٹھے، اور اپنی معرکہ آرا کتاب کو ۴۳۰ھ تک محدود کر دیا۔ اسی کتاب پر موصوف کو مولانا مودودیؒ کے ساتھ پہلا لٹریری فیصل ایوارڈ ملا تھا۔ ۱۹۸۰ء میں ایک ملاقات میں استفسار پر آپ نے بتایا تھا کہ وہ ۳۵ سال سے اس کتاب پر ۱۷ گھنٹے مسلسل

صرف کرتے ہیں اور روزانہ صرف ۱۰ منٹ کے لیے کھانے کے دوران اپنے بال بچوں کے درمیان رہتے ہیں۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ اتنا عرصہ گزرنے کے باوجود سزکین اور بروکلمان کی کتاب عربی زبان تک میں مکمل ترجمہ ہو کر نہ آسکیں۔ سزکین' بروکلمان اور الورڈ نے عربی زبان کے مخطوطات پر جرمنی زبان میں جس جاں فشانی سے کام کیا ہے' عربی زبان سمیت کسی زبان میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

کیپٹن ڈاکٹر ریاض احمد خان' گوجرہ

عرصہ دراز کے بعد ترجمان القرآن کو پڑھ کر حیرت افزا خوشی ہوئی۔ "چند اخوانی ادیب" (اگست ۲۰۰۰ء) میں اخوان المسلمین سے وابستہ ادیبوں کا جس طرح سے تذکرہ کیا گیا ہے' بہت پسند آیا۔ آخر میں ان کی کتابوں کا تعارف' قابل ستائش ہے۔ مضمون مزید افادیت کا حامل ہوتا اگر یہ بھی معلوم ہو جاتا کہ یہ کتابیں کہاں سے دستیاب ہیں۔

بوی جند' چارسدہ

اشارات: "مسلم معاشرہ' خاندانی منصوبہ بندی اور معاشی ترقی" (اگست ۲۰۰۰ء) میں مغربی مفکرین کی آرا کے ساتھ ساتھ مشرقی مفکرین کی آرا کا بھی تذکرہ ہو جاتا تو متوازی بات سامنے آجاتی' نیز پاکستان پر اس کے اثرات کا بھی جائزہ لینے کی ضرورت تھی۔

محمد عبدالحق انصاری' علی گڑھ' بھارت

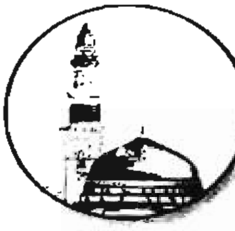
پروفیسر خورشید احمد صاحب کے اداریے بڑے مقبول ہیں' بڑی محنت سے لکھے جاتے ہیں اور بہت خوب ہوتے ہیں۔ وقت کے مسائل اور پاکستان کے حالات میں اٹھنے والے ایشوز پر ہوتے ہیں۔ البتہ یہ احساس ہوتا ہے کہ ان میں تبصرہ اور تنقید کا پہلو تو نمایاں ہوتا ہے لیکن جماعت اسلامی پاکستان کے پاس ان ایشوز پر مثبت طور پر کیا لائحہ عمل ہے' وہ ابھر کر سامنے نہیں آتا۔

حامد رضا وٹو' لاہور

حال ہی میں' میں نے ترجمان القرآن کا مطالعہ شروع کیا ہے اور اس کے معیاری مضامین اور پراستدلال انداز مجھے بہت بھایا۔ میں اب اس کا باقاعدہ قاری ہوں اور گذشتہ برسوں کی فائلیں بھی میں نے حاصل کی ہیں۔ "خاندانی منصوبہ بندی اور معاشی ترقی" (اگست ۲۰۰۰ء) نے مجھ سمیت ان تمام لوگوں کی' جو خاندانی منصوبہ بندی کو تمام معاشی اور معاشرتی مسائل کا امرت دھارا سمجھتے ہیں' ایک عظیم خدمت سرانجام دی ہے۔

امداد علی قادری' لاڑکانہ

ترجمان القرآن کے شمارے میں "حکمت مودودی" (ستمبر ۲۰۰۰ء) کے تحت مولانا محترم کی اجتماع ارکان ۱۹۷۴ء کی تقریر شائع کر کے آپ نے ہم پر احسان عظیم کیا ہے۔ میں ۷۴ء کے اس اجتماع ارکان میں موجود تھا۔ یوں محسوس ہوا جیسے ایک بھولا ہوا سبق تھا جو کہ دھندلا سا گیا تھا تازہ ہو گیا۔ ہم اندھیرے میں سفر کر رہے تھے کہ یکایک روشنی میں آگئے۔ میں نے اس تقریر کو پڑھ کر اپنے عہد کی تجدید نو کی اور دوبارہ کلمہ پڑھ کر مسلمان بنا ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ باقی زندگی بھی وہ مجھے اپنی امان میں رکھے اور شیطانی وساوس سے محفوظ رکھے۔




13 رہائشی منصوبوں کی شاندار کامیابی کا حامل اور آپ کے کامل اعتماد کا مظہر

احباب گروپ آف کمپنیز

لاہور کے منصوبہ جات

- آب پارہ مکمل
- گلشن احباب فیز 1 مکمل
- گلشن احباب فیز 11 مکمل
- شاداب کالونی تقریباً مکمل
- گیلانی پارک مکمل
- گیلانی ہومز مکمل
- بلال ٹاؤن زیر تکمیل

مری کے منصوبہ جات

- احباب گارڈنز زیر تکمیل
- احباب ولاز مکمل
- ہل ویو اپارٹمنٹس مکمل

اسلام آباد کے منصوبہ جات

- احباب ایگرو فارمز فیز1
- منظر کوہسار زیر تکمیل
- احباب ایگرو فارمز 11 زیر تکمیل

ادارے کا تعارف

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی ایک لمیٹڈ کمپنی ہے کوئی ذاتی ادارہ نہیں۔ چار اعلیٰ تعلیم یافتہ اور تجربہ کار افراد بطور ڈائریکٹر کام کررہے ہیں۔ کارپوریٹ لاء اتھارٹی سے کمپنی باقاعدہ منظور شدہ ہے جس کے اصولوں اور قواعد و ضوابط کے تحت کمپنی کو چلایا جارہا ہے۔ لہذا افرد نہیں بلکہ کمپنی ممبران کے مفاد کے محافظ ہے۔ یہ کمپنی انکم ٹیکس آفس میں رجسٹرڈ ہے اور لاہور ایوان صنعت و تجارت کی ممبر ہے۔ ہر سال آڈٹ کرایا جاتا ہے اور ہر سال لاکھوں روپے انکم ٹیکس ادا کیا جارہا ہے۔

ایگرو فارمز اسلام آباد، منظر کوہسار اسلام آباد، ہل ویو اپارٹمنٹس مری، احباب گارڈنز مری، شاداب کالونی لاہور، بلال ٹاؤن، گیلانی پارک لاہور اور گیلانی ہومز لاہور میں بکنگ جاری ہے۔

خریداروں کے حق میں احتیاطیں

زمینوں کی خریداری مختار ناموں پر نہیں کی جاتی بلکہ زمینداروں کو ادا کی گئی قیمت پر ہی زمین خریدی گئی ہے اور اس قیمت کی رجسٹریاں اور انتقال کمپنی کے نام کرائے جاتے ہیں اور حکومت کے تمام ٹیکس اور فیس ادا کی جاتی ہے

زمینوں کی ملکیت کی چھان بین کیلئے محکمہ مال کے ریٹائرڈ افسران کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ پلاننگ اور ڈیزائننگ ٹاؤن پلانروں سے کرائی جاتی ہے اور تمام نقشے و ڈیزائن متعلقہ محکموں سے منظور کروائے جاتے ہیں

سروسز تجربہ کار انجینئروں کی نگرانی میں ترقیاتی کام کرائے جاتے ہیں اور ایل ڈی اے اور سی ڈی اے کے اصولوں کے مطابق ۳۵ سے ۴۰ فیصد زمین سروسز کیلئے چھوڑی جاتی ہے ہمارے ترقیاتی کاموں میں سڑکیں، سیوریج، واٹر سپلائی، ٹینکی اور بجلی کے کام شامل ہیں ادارہ پہلے زمین کا مالک خود بنتا ہے اور پھر زمین فروخت کرتا ہے دوسرے اداروں کی طرح ایسا نہیں ہے کہ زمین کا مالک کوئی اور ہو اور بکنگ کوئی اور کرے۔

ہمارا مقصد احباب کو جھگڑوں سے پاک زمین فراہم کرنا اور پرامن بستیاں بسانا ہے۔

اللہ کے فضل سے ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارے ترقیاتی کام L.D.A اور C.D.A کے معیار کے مطابق ہوتے ہیں

پمفلٹ مفت منگوائیں

سستے، جھگڑوں سے پاک پلاٹ مہیا کرنے اور نظریاتی بستیاں بسانے والا واحد ادارہ

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی (پرائیویٹ) لمیٹڈ

ہیڈ آفس: بٹ ہاؤس، ۱۔اے فیض روڈ اولڈ مسلم ٹاؤن لاہور
فون 5869549-5865371 فیکس 5837016 E mail: ahbab@nexlinx.net.pk

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵۔اے ذیلدار پارک 'اچھرہ' لاہور سے شائع کیا

C .P.L. 236.

Phone : 7587916
7585590

Monthly TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE,